اَلحَمدُ لِاَهلِہٖ وَالصَّلوٰۃُ عَلٰی اَھلِھَا

کتاب مستطاب

نفحۃ الآفاق فی علم الاخلاق

تالیف منیف

فقیہ اہل بیت آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مجتہد العصر مدظلہ

مکتبۃ السبطین

۱۹۲/۹ بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلحَمدُ لِاَھلِہٖ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی اَھلِہَا

کتابٌ مُستطابٌ

نُخبۃُ الآفاق فی علمِ الاخلاق

تالیف منیف

فقیہ اہل بیتؑ آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مجتہد العصرؑ الزمان

ناشر

196/9 بلاک بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

نام کتاب: "نخبۃ الآفاق فی علم الاخلاق"

مولف: فقیہ اہل بیتؑ آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مجتہد العصرؒ الزمان

کمپوزنگ: الخطاط کمپیوٹرز 0307-6719282

مطبع: اظہار سنز پرنٹرز، 9 ریٹی گن روڈ، لاہور

فون نمبر 37220761

اِشاعت اوّل: مئی ۲۰۱۴ء

تعداد: ۱۱۰۰

ہدیہ: روپے

ناشر:

196/9 بلاک بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

فہرست عناوین

نخبة الأفاق فی علم الاخلاق

ساتواں باب

اظہارِ تشکر

اِنتہائی ناشکر گزاری ہوگی اگر اس کتاب مُستطاب " نخبۃ الآفاق فی علم الاخلاق " کی طباعت واشاعت کے سلسلہ میں کوکب فلک سیادت عزیزم سید فیاض عباس نقوی آف کراچی حال وارد ناروے کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جنھوں نے اپنے دادادادی اور نانانانی یعنی اپنے والد ماجد جناب سیادت مآب سید رمضان علی نقوی کے والدین اور اپنی والدہ ماجدہ کے والدین کے ایصالِ ثواب ورفع درجات کی خاطر اس کتاب کی طباعت واشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے ۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء فی الدارین بحق الثقلین

قارئین کرام سے اِلتماس ہے کہ اس کتاب سے اِستفادہ کرتے وقت ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ توحید کی تلاوت کر کے ان مرحومین ومرحومات کی ارواح کو ایصالِ ثواب کر دیں ۔ شکریہ

وانا الاحقر محمد حسین النجفی عفی عنہ بقلمہ

۳۰ر اپریل ۲۰۱۴ء

گفتارِ اولین

(در فضیلتِ علم الاخلاق اور اس کی تعریف و تحسین)

① علم الاخلاق کی فضیلت و اہمیت

علم الاخلاق کی عظمت و جلالت کسی وضاحت و صراحت کی محتاج نہیں ہے، اس کی اہمیت و شرافت کو سمجھنے کے لیے پیغمبرِ اسلام ﷺ کا یہ فرمان ہی کافی ہے: "انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" کہ خداوند علیم و حکیم نے مجھے بھیجا ہی اخلاق عالیہ کی تکمیل کے لیے ہے۔ حالانکہ بنصِّ قرآن آپؐ کے کم از کم چار فرائض و وظائف تھے: "یتلوعلیہم آیاتہ و یزکیہم و یعلمہم الکتاب و الحکمۃ" (سورۂ جمعہ) ① آیاتِ الٰہیہ کی تلاوت ② تزکیۂ نفوس ③ تعلیم قرآن اور ④ تعلیم حکمت۔ مگر حکیم الامت رسولؐ نے تزکیۂ نفوس یعنی انسانی نفوس کو اخلاقِ عالیہ سے مزین کرنے اور اخلاقِ رذیلہ سے ان کو پاک وصاف کرنے کی اہمیت کے پیشِ نظر اپنی بعثت کی غرض وغایت ہی یہی قرار دی ہے۔ اگرچہ تمام مذاہب کی بنیاد اخلاق پر ہے اور اگرچہ تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ اور تمام داعیانِ حق اور مصلحین نے ہمیشہ یہی تعلیم و تلقین کی ہے کہ اپنے اندر اخلاقِ عالیہ پیدا کرو اور اخلاقِ رذیلہ و قبیحہ سے اپنی حفاظت کرو۔ مگر دُوسرے ابواب و عناوین کی طرح اس باب میں بھی اِسلام اور بانی اسلام کی تعلیم و تلقین تکمیلی اور مُنفرد حیثیت کی حامل نظر آتی ہے۔ دیکھیے اِسلام میں ایمان سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ مگر اس کی تکمیل بھی اخلاقِ عالیہ سے ہوتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: "اکمل

المؤمنین ایمانًا احسنہم خُلقًا" تمام اہل ایمان میں زیادہ کامل الایمان وہ شخص ہے جس کا اخلاق سب سے زیادہ اچھا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا: "احسنکم اخلاقًا احسنکم لاھلہ" (ایضا) یعنی اخلاق اس کا مکمل ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اچھا اخلاقی برتاؤ کرتا ہے۔

خداوند عالم نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی صفت ہی یہ بیان فرمائی ہے: "انك لعلی خلق عظیم" (القرآن) کہ آپؐ خلق عظیم کے مالک ہیں۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ جب تک کوئی آدمی اخلاقِ جمیلہ سے متّصف اور اخلاقِ رذیلہ سے مُجتنب نہ ہو تب تک وہ حقیقی انسان کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔

الغرض کسی بھی انسان کی انسانیت کا راز اس کے اخلاق کے اندر مُضمر ہے۔ و لنعم ماقیل:

اقبل علی النفس و استکمل فضائلها
فانت بالنفس لا بالجسم انسان

یعنی اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو اور اس کے اخلاقِ عالیہ کی تکمیل کر۔ کیونکہ تیری انسانیت کا راز تیرے جسم کے اندر نہیں ہے، بلکہ تیرے نفس کی تکمیل کے اندر مُضمر ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر اسلام پھلا پھولا ہے اور پروان چڑھا ہے تو سرکار محمد وآلِ محمد علیہم السلام کے اخلاقِ عالیہ سے، نہ کہ شمشیر وسنان سے۔ کما لا یخفی۔

② عام اہل اسلام میں اخلاقِ عالیہ کا فقدان ہے

① بڑے قلبی دُکھ و درد سے کہنا پڑتا ہے کہ جس قدر اسلام نے اپنے اندر اخلاقِ عالیہ پیدا کرنے پر زور دیا ہے اس کے برعکس بالعموم امت مُسلمہ نے اسی قدر اس سے

بے اعتنائی برتی ہے۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ امت مُسلمہ سے تعلّق رکھنے والے لوگ اپنے اسلام و ایمان اور اپنے اخلاق پر فخر کرتے، وہ اپنی ذات، اپنی قوم اپنے مال ومنال اور اپنے جاہ و جلال پر فخر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

(٢) بقول مولانا حالی مرحوم ؎

کہیں قومیں ہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اور بقول ڈاکٹر اقبال:

کوئی اپنے مسلک پہ فخر کرتا ہے کوئی اپنے پیروں فقیروں پہ ناز کرتا ہے اور کوئی اپنی سیادت پر مباہات کرتا ہے، مگر یہ کوئی غور و فکر نہیں کرتا کہ آیا وہ انسان اور مُسلمان بھی ہے؟

یوں تو مرزا بھی ہو سیّد بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مُسلمان بھی ہو

مُسلمان ہونا تو دُور کی بات ہے، یہاں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ: "بتاؤ کہ تم انسان بھی ہو؟" کیونکہ: ؎

فرشتوں سے افضل ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

اور یہاں یہ حالت ہے کہ: ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مُسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

۳ مدعیانِ علم و عمل میں اخلاق کا بحران

عام پبلک اور عام اہل اسلام کا کیا شکوہ؟ جن لوگوں نے یعنی جن مدعیان علم و عمل روحانیوں نے عام لوگوں کو با اخلاق اور سچا مسلمان بنانا تھا جب خود ان کی اکثریت جوہر انسانیت اور حقیقتِ اسلام سے عاری نظر آتی ہے اور جہاں تک روحانیت کا تعلّق ہے تو: ع

ہے یہ وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہ ہوا

چونکہ مدارس میں علم الاخلاق پڑھنے پڑھانے کا کوئی اہتمام نہیں ہے لہٰذا بالعموم ایسا ہوتا ہے کہ طلبہ کرام صرف و نحو اور معانی و بیان اور ادب عربی اور منطق و فلسفہ کے مقدمات کی چند کتابیں پڑھ کر اور دستارِ فضیلت باندھ کر اور قوم و ملت کے مبلغ و مصلح بن کر واپس گھروں کو لوٹ جاتے ہیں اور وہ بیچارے علم و فن کے چار لفظ پڑھ پڑھا کر عالم و فاضل تو بن جاتے ہیں مگر اکثر و بیشتر جوہر انسانیت و آدمیت سے بالکل عاری ہوتے ہیں بلکہ بقول بعض علماء نجفِ اشرف کہ جب اچھے خاصے حیوان مفترس بن جاتے ہیں تو عالم دین کے نام سے واپس اپنے وطن لوٹ جاتے ہیں، ان میں باہمی تحاسد ہوتا ہے، تباغض ہوتا ہے اور تعاند ہوتا ہے، بہتان تراشی ہوتی ہے، حب مال و منال اور حب جاہ و جلال ہوتی ہے۔ اپنے کوسِ "لمن الملك اليوم" بجانے کا شوق ہوتا ہے۔

ان حالات میں ایسے لوگوں سے اپنے ابناء ملک و ملت کی اخلاقی اصلاح کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟ ع

آں خویشتن گم است کرا رہبری کند؟

بپاسِ آدمیت احترام ان کا روا رکھا
مگر اب کھل گیا یہ آدمیت سے بھی عاری ہیں

اِسلام کے نام پر دکانیں کھلی ہوئی ہیں، کہیں قرآن کے سودے ہوتے ہیں اور کہیں خونِ حسینؑ کی تجارت ہوتی ہے۔ لہٰذا "کہاں سے آئے صدا لاالٰہ الا اللہ؟"

④ دینی مدارس میں علم الاخلاق کے پڑھنے پڑھانے کا اِہتمام ضروری ہے

ان حالات کے تناظر میں ہمارے دینی مدارس میں مقدماتی عوم وفنون کے ساتھ ساتھ جہاں ذوالمقدماتی علوم پڑھانے کی اشد ضرورت ہے یعنی علم عقائد، علم تفسیر، علم حدیث اور علم فقہ، وہاں علم الاخلاق کے پڑھنے پڑھانے کی افادیت و اہمیت اور ضرورت بھی ناقابل انکار ہے، تاکہ پڑھنے پڑھانے کے مقصد کی تکمیل ہو سکے، اور نہیں تو کم ازکم حضرت شہید ثانی قدس سرہ کی کتاب منیۃ المرید تو ضرور پڑھائی چاہیے۔ بلکہ دینی مدارس میں علوم جدیدہ پڑھانے کا اہتمام بھی ہونا چاہیے، تاکہ ہمارے موجودہ طلبہ کرام اور کل کے علماء عظام جب مدارس سے فراغت کی سند لے کر نکلیں تو جہاں ان کی نظر علوم قدیمہ پر ہو وہاں ان کی نگاہ علوم جدیدہ پر بھی ہو، تاکہ انگریزوں نے اپنی خاص مصلحتوں کے تحت دین ودنیا میں جو تفریق پیدا کی تھی وہ بھی ختم ہو جائے اور دین ودنیا کا حسین امتزاج بھی ہو جائے۔

⑤ کتبِ فقہیہ میں علم الاخلاق کے اندراج کی ضرورت

حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ فقہی کتب اس نداز میں مرتب کی جائیں کہ ان میں علم الاخلاق کے ضروری مسائل بھی آجائیں،

جیسا کہ ماضیٔ بعید میں سرکار علامہ مُحسن فیض کاشانی صاحب تفسیر صافی نے اپنے رسالہ نخبۃ العلوم المعروف بہ نخبۂ فیضیہ میں اور ماضیٔ قریب میں سرکار علامہ آقائی خالصی مرحوم نے اپنی فقہی کتاب احیاء الشریعہ میں، اور اس احقر نے اپنے فقہی شاہکار قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ کی پہلی جلد میں ایسا کیا ہے۔

دعا ہے کہ خداوند عالم دوسرے علماء و فقہاء کو بھی اس سلسلہ جلیلہ کو جاری کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، تاکہ اصلاح احوال کا انتظام ہو جائے۔

وما ذٰلک علی اللہ بعزیز

⑥ کچھ موجودہ کتاب نخبۃ الآفاق فی علم الاخلاق کے بارے میں

میں اپنے مُحسن و منعم حقیقی کا جس قدر شکر ادا کروں پر کر نہیں کر سکتا۔ ع

حق ایں کہ من ز حق ثنائے او قاصرم

جس نے اپنے خُصُوصی فضل و کرم سے ایک ذرۂ بے مقدار کو گوہر تابدار بنا دیا اور ثریٰ سے اٹھا کر ثریا تک پہنچا دیا، اپنے اس فضل و کرم کا مظاہرہ یوں کیا کہ درس و تدریس اور تقریر کے علاوہ وہ ملکہ تحریر مرحمت فرمایا کہ بفضلہٖ تعالیٰ اسلامیات کے تمام شعبوں میں میری کتابیں موجود ہیں جن سے بعض کے دوسری زبانوں میں تراجم بھی ہو رہے ہیں اور بحمدہ تعالیٰ سند قبول خواص و عوام حاصل کر رہی ہیں۔ والحمد للہ......

البتہ علم الاخلاق کا شُعبہ تشنہ تکمیل تھا۔ اگرچہ قوانین الشریعہ کی پہلی جلد میں اس علم کے بعض مسائل پر اجمالاً روشنی ڈالی گئی تھی، مگر اس موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر مدت سے آرزو تھی کہ اس موضوع پر ایک مکمل کتاب لکھی جائے اور ابناء ملک و ملت کی خدمت میں پیش کی جائے۔

بموجب "کل امر مرھون باوقاتہ" الحمد للہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں

اپنے پرانے خواب کی تعبیر قوم کے سامنے رکھ سکوں۔ چنانچہ اب کی بار ۶ ماہِ رمضان ۱۴۳۴ھ بمطابق ۱۶ جولائی ۲۰۱۳ء کو اس کارِ خیر کا آغاز کر دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں جہاں اس موضوع سے متعلقہ عام کافی کتابوں سے بالعموم استفادہ کیا ہے وہاں بالخصوص جامع السعادات، معراج السعادۃ، حلیۃ المتقین، سیرۃ النبیؐ، نخبۂ فیضیہ، احیاء الشریعہ اور قوانین الشریعہ کی روشوں سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

خداوند عالم کے فضل و کرم سے رجاء واثق اور امید کامل ہے کہ وہ جلد از جلد اس کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اور اس کتاب "نخبۃ الآفاق فی علم الاخلاق" کو اپنی عام مخلوق کے لیے مفید عام بنائے گا۔ اور اسے میرے والدین، دونوں بھائیوں، دونوں بہنوں اور مرحومہ بیوی کی مغفرت اور رفع درجات کا ذریعہ قرار دے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

بجاہ النبی و عترتہ الطاھرین المعصومین صلوات اللہ علیہ و علیہم اجمعین

رحم اللہ من قال آمینا

وانا المتمسک بالثقلین

الاحقر محمد حسین النجفی عفی عنہ

۶ ماہ صیام ۱۴۳۴ھ

بمطابق ۱۶ جولائی ۲۰۱۳ء

بوقت سوا دو بجے دن

والحمد للہ رب العالمین

پہلا باب

دینِ اسلام کے دینِ فطرت ہونے کا تذکرہ

اگرچہ یہ کتاب علم الاخلاق کے موضوع پر لکھی جا رہی ہے جو کہ دین اسلام کا ہی خاص شُعبہ ہے۔ اس لیے گو اس موضوع کا حقیقت اسلام و ایمان سے کوئی خاص تعلق تو نہیں ہے مگر اس مناسبت کے پیشِ نظر کہ اخلاقِ عالیہ سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے، جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اکمل المؤمنین ایماناً احسنہم خُلقاً" (جامع السعادات وغیرہ) اس لیے مناسب سمجھا گیا ہے کہ یہاں اپنی کتاب "احسن الفوائد فی شرح العقائد" سے پہلے دین اسلام کا دین فطرت ہونا ثابت کیا جائے اور پھر اپنی کتاب "اصلاح الرسوم" سے حقیقت اسلام و ایمان کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ قارئین کرام پہلے صحیح معنوں میں مُسلمان و مومن بنیں اور پھر اخلاقِ عالیہ کے ذریعہ سے اپنے اِسلام و ایمان کی تکمیل کریں۔ اس وقت دنیا کے اندر بے شمار ادیان و مذاہب پائے جاتے ہیں، اور ہر دین اس کا مدعی ہے کہ وہی خدا کا پسندیدہ دین ہے، اور وہی انسانوں کی دنیوی نجاح اور اخروی فلاح کا کفیل ہے، اور یہ کہ وہی برحق ہے اور باقی سب ادیان باطل ہیں۔ سچ ہے: ؎

عاقل بعقل خود نازد و مجنون بجنون

کل حزب بما لدیھم فرحون

لیکن ان کے اصول و فروع کا اختلاف اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ نہ تو یہ سب مذاہب صادق ہو سکتے ہیں اور نہ ہی سب کاذب (کیونکہ اجتماعِ ضدین و

ارتفاعِ نقیضین محال ہے) اندریں حالات عقلِ سلیم مجبور کرتی ہے کہ کوئی ایسا معیار ہونا چاہیے جس سے سچے اور جھوٹے مذہب کے درمیان امتیاز قائم کیا جا سکے۔ معیار و میزان کس چیز کو قرار دیا جائے؟ یہ امر بہت غور طلب ہے۔ اگر آسمانی کتب کو معیار قرار دیا جائے تو اتفاق نہ ہو سکے گا۔ ہر صاحبِ دین علیحدہ کتاب پیش کر دے گا۔ اگر علماء کو میزان قرار دیا جائے تو ان کا باہمی اختلاف معلوم۔ اگر عقول و افہام کو کسوٹی بنایا جائے تو ان کا افتراق مشاہد و محسوس۔ معیار تو ایسا ہونا چاہیے کہ جسے تمام ادیان بخوشی قبول کر لیں۔ اور ہر شخص خواہ جس مسلک کا سالک اور جس ملک کا ساکن اور جس نسل کا فرد ہو، اس معیار کو بلا چون وچرا تسلیم کر لے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا جامع و مانع مکمل معیار سوائے فطرتِ صحیحہ کے اور کوئی نہیں ہے۔ یہی فطرتِ سلیمہ ہی وہ چیز ہے جو بلا امتیاز رنگ و نسل اور بلا افتراق ملک وملت اور بلا تمیز مرد و زن سب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہی فطرت ہی معیارِ حق و باطل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ لہٰذا اب صحیح اور قابل قبول دین وہی ہو گا جس کے اصول و آئین قوانین فطرت کے مطابق ہوں گے۔

دینِ اسلام کے فطری ہونے کا اثبات

پس جب یہ امر مبرہن ہو گیا کہ کسی مذہب اور دین کی صداقت وحقانیت معلوم کرنے کا معیار فطرت ہے۔ یعنی یہ کہ اس کے تمام اصول وعقائد اور فروع و احکام فطرتِ سلیمہ کے مطابق ہوں تو اب ہم ببانگِ دہل اور بلا خوفِ رد کہہ سکتے ہیں کہ تمام ادیانِ عالم میں فقط دین اسلام ہی اس معیار پر پورا اترتا ہے اور تنہا یہی دین فطرت کہلانے کا حقدار اور خالق فطرت کا مقرر کردہ آئین ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ باقی جس قدر ادیان ہیں، وہ اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔ اگرچہ اس دعویٰ کو متعدد طرق واسالیب سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ مگر بنظر اختصار ہم یہاں صرف چند

طرق کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں۔

① طریق اول: یہ امر اپنے مقام پر مُحقّق و مبرہن کیا جا چکا ہے کہ انسان کی حقیقت یہی جسم مادی و محسوس نہیں ہے جو چند عناصر سے مُرکب ہے، جو وقتاً فوقتاً بڑھتا اور گھٹتا رہتا ہے اور بالآخر فنا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مادیین کا خیال ہے، بلکہ اس جسم کے ساتھ ایک اور ایسا جوہر لطیف بھی موجود ہے جو در حقیقت جوہر انسانیت ہے، جسے روح کہا جاتا ہے، جو آثار و خواص میں جسم سے بالکل مختلف اور مُتضاد ہے۔ مثلاً جسم کثیف ہے، اور وہ لطیف جسم مادی ہے۔ وہ نورانی جسم فانی ہے اور وہ باقی۔ الی غیر ذلک من الفوارق الکثیرۃ۔

یہاں اس بحث میں پڑنا مقصود نہیں ہے کہ انسان تین امور (جسم و روح اور نفس) یا دو امور (جسم و روح) کے مجموعہ کا نام ہے، بلکہ یہاں اصل مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ انسان میں مادی و روحانی دو جُنبے ہیں۔ اور چونکہ کوئی بھی دین انسان کی فلاح و بہبود اور ترقی کا ضامن و کفیل ہوتا ہے، لہٰذا کامل دین اور دین فطرت وہ ہوگا جو انسان کے تمام جسمانی و روحانی شعبوں پر حاوی ہو۔ اور اس کے جسمانی و روحانی تقاضوں کو پورا کرنے پر قادر ہو، اور اس کی دنیوی و دینی نجاح و فلاح کی کفالت کر سکتا ہو، اور ایسا دین جس میں انسان کے ان جملہ تقاضوں کو پورا کرنے کا خاص خیال رکھا گیا ہو، بجز دین اسلام کے اور کوئی دین موجود نہیں ہے۔ باقی تمام ادیان میں یہ نقص موجود ہے کہ ان میں یا تو محض مادی ترقی پر زور دیا گیا ہے جس سے انسان کی اخروی حیات کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا ہے یا فقط اخروی حیات اور روحانی غذا کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ دنیوی زندگی اور مادی تقاضوں کو بالکل کچل کر رکھ دیا گیا ہے۔ لیکن دین اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو انسان کی اس کی زندگی کے ہر ہر شعبے میں رہبری کرتا ہے، اور دین و دنیا کا بہترین امتزاج پیش کرتا ہے۔ اسلام دنیا کو مزرعہ آخرت قرار دیتے

ہوئے بتلاتا ہے کہ جو کچھ کرو گے اس کا ثمرہ وہاں پاؤ گے۔ ترکِ دنیا اسلام میں جائز نہیں ۔ امام علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

لَیۡسَ مِنَّا مَنۡ تَرَکَ الدُّنۡیَا لِلۡاٰخِرَۃِ وَمَنۡ تَرَکَ الۡاٰخِرَۃِ لِلدُّنۡیَا

وہ شخص ہم میں سے نہیں یعنی ہمارا پیروکار نہیں جو آخرت کے لیے دنیا اور دنیا کے لیے آخرت چھوڑ دے۔

اور یہی فطرت کا تقاضا ہے ۔ اسلام میں روح و جسم کے تقاضوں کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے ۔ اور دونوں کی غذا بطریق احسن مہیا کی گئی ہے ۔ یوں سمجھیے کہ دین اسلام اعتقاد و عمل کی ایک معجونِ مُرکب ہے، جس کا اثر انسان کی دنیوی اور اُخروی زندگی پر برابر پڑتا ہے، جس طرح ہر معجون کے لیے کچھ اجزا ہوتے ہیں، جن کی مقدار کم وبیش ہوتی ہے، اسی طرح اسلام کی معجون میں نماز کی کچھ رکعتیں ہیں، صوم کے کچھ ایام ہیں، حج کے کچھ ارکان ہیں، زکوٰۃ وخمس کے کچھ مقادیر ہیں، نکاح و طلاق اور تعزیرات و دیات کے کچھ حدود ہیں ۔ ان کو اخلاقِ حسنہ کی آنچ پر عقائد صحیحہ کے پانی میں قوام دے کر اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ:

تُؤۡتِیۡۤ اُکُلَہَا کُلَّ حِیۡنٍ (سورۃ ابراھیم:۲۵) وَ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡہِ الۡاَنۡفُسُ وَ تَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ (سورۃ الزخرف:۷۱)

(۲) **طریق دوم:** اسلام کے عقائد اور قوانین اس امر کے شاہد عادل ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے ۔ یعنی انسان کی صحیح فطرت کے عین مطابق ہے ۔ اس کے برعکس دیگر مذاہب فطرتِ انسانی کے بالکل مخالف ہیں ۔ اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں ۔ لیکن اختصار مانع ہے ۔ رہبانیت، ترک لذائذ، ایذاء نفس وغیرہ امور جو بعض مذاہب میں داخل ہیں، اسلام میں ان کا نام و نشان نہیں ۔ اس میں لذائذ دنیا اور حظوظ عاجلہ اپنے مقررہ قواعد و ضوابط کے ساتھ جائز و مباح ہیں ۔ اسلام میں یہ

سہولت پائی جاتی ہے کہ وہ انسان کی فطرت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ کہیں اس کے خلاف نہیں جاتا۔ اور یہی امر اس کا مابہ الامتیاز ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (سورۃ البقرۃ:۱۸۵)

نیز ارشادِ ایزدی ہے:

وَ مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (سورۃ الحج: ۷۸)

دین اسلام کا کوئی اصولی یا فروعی مسئلہ ایسا نہیں جسے عقل سلیم اور طبع مستقیم قبول کرنے سے ابا و انکار کرے۔ اسلام کے ہر ہر حکم میں اس قدر فوائد و عوائد اور ہر ہر نہی میں اس قدر مضار و مفاسد مُضمر ہیں کہ جب ان کی کنہ میں غور کیا جاتا ہے تو عقل انسانی حیران ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں علوم و فنون میں ترقی ہوتی جاتی ہے جس سے دیگر ادیانِ عالم کی جڑیں کھوکھلی ہو رہی ہیں، وہاں اسلام کی صداقت و حقانیت بحمدہ تعالیٰ اور زیادہ روشن و اجاگر ہو رہی ہے۔

(۳) طریق سوم: اسلام میں دو باتوں پر زور دیا گیا ہے۔

اول یہ کہ انسان اپنی کوشش کے ساتھ ساتھ اپنے معاملات کو قدرتِ کاملہ کے سپرد کر دے، اور کامیابی و کامرانی حاصل کرنے میں اس کی ذات پر بھروسا کرے۔

اور دوم یہ کہ مخلوقِ خدا کے ساتھ اپنے تعلقات و روابط اچھے رکھے۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَ مَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ

(سورۃ النساء۱۲۵)

اس سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے جو اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور مخلوقِ خدا کے ساتھ صلح و آشتی سے پیش آئے۔

اور یہی فطرت کا تقاضا ہے: ؎

آسائش دوگیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

پس ان حقائق کی روشنی میں معلوم ہوجاتا ہے کہ دین اسلام دین فطرت ہے۔ جو خالق فطرت کا مقرر کردہ دین ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ق لا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ الروم: ۳۰)

(۴) طریق چہارم: اسلام میں نجاح وفلاح کی بنیاد ایمان وعمل پر رکھی گئی ہے۔ اعتقاد صحیح کے بغیر عمل خواہ کتنا ہی عمدہ اور زیادہ کیوں نہ ہو، نجات کے لیے ناکافی قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اعتقاد کیسا ہی مضبوط ہو، اگر اس کے ساتھ عمل صالح نہیں تو وہ بھی نجات کے لیے کافی نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جہاں بھی کسی گروہ سے نجاتِ اخروی کا وعدہ کیا گیا ہے، وہاں ایمان وعمل کو توام بیان کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۷)

مکمل اسلام وایمان کیا ہے؟ "الاقرار باللسان و التصدیق بالجنان و العمل بالارکان" نجات کے لیے نہ تنہا اعتقاد کافی ہے اور نہ تنہا عمل۔ لیکن اسلام کے علاوہ جس قدر مذاہب ہیں، ان میں نجات کا دارومدار ان دو میں سے فقط ایک پر رکھا گیا ہے۔ بودھ مذہب وجین مت میں عمل پر بہت زور دیا گیا ہے۔ لیکن اعتقاد کو ہرگز درخورِ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ اور یہودیت ومسیحیّت نے عمل کو بالکل نظر انداز کردیا ہے۔ یہاں تک کہ پاپائے اعظم کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ رقم لے کر عملی خامیوں کو نظر انداز کرسکتا ہے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

(از "احسن الفوائد" مصنفہ ایں احقر)

دُوسرا باب

حقیقتِ اسلام وایمان کے مختصر بیان نیز البرہان کا تذکرہ

واضح ہو کہ اسلام مجموعہ ہے چند عقائد واعمال کا۔ عقائد وہ ہیں جو عمل کا احساس پیدا کرتے ہیں اور اعمال وہ ہیں جو عقیدہ پر جلا کرتے ہیں۔ عقائد وہ ہیں جو تمام کائنات کے مقابلہ میں خودداری اور خود اعتمادی پیدا کرتے ہیں، اعمال وہ ہیں جو دنیا کی شیرازہ بندی کرتے اور اجتماعی نظام کو تقویت پہنچاتے ہیں، عقائد وہ ہیں جو اصلاحِ احوال کی دعوت دیتے ہیں اور اعمال وہ ہیں جو مقصد اصلاح کی تکمیل کرتے ہیں۔

اگر اسلام وایمان کے اصول کو یکجا کیا جائے تو وہ حسبِ ذیل پانچ بنتے ہیں: ① توحید ② عدل ③ نبوت ④ امامت ⑤ قیامت۔ جن میں سے پہلی اور تیسری اور پانچویں اصل (توحید، نبوت، اور قیامت) اصولِ اسلام ہیں، جن کے اقرار سے ایک بندہ مُسلمان بنتا ہے اور ان کے انکار سے کافر بن جاتا ہے اور باقی دوسری اور چوتھی اصل (عدل وامامت) اصول ایمان ہیں، جن کے ماننے سے ایک انسان با ایمان اور انکار سے بے ایمان بن جاتا ہے۔

اب ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ ان اصولِ خمسہ کی تھوڑی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

① توحید

یہ عقیدہ اسلام کا اصل الاصول ہے اور بنیاد اساسی ہے۔ اس میں تمام عالم انسانیت کو ایک مشترکہ نقطہ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے جو سب کا مرکز ہے۔ ہزار در

ہزار نسل..... رنگ، وطن اور قوم کے تفرقوں کے باوجود دنیا ایک نظام میں منسلک ہو جاتی ہے کہ سب کا خالق، سب کا مالک، سب کا پالک، اور سب کا معبود و مسجود ایک ہے...... وہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہے۔ ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک اس کا مثال اور مثیل نہیں ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ زمان و مکان سے ماوراء ہے۔

ساری کائنات اس کی محتاج ہے، مگر وہ سب سے بے نیاز ہے، وہ حاجت روا اور حقیقی مُشکل کشا ہے۔ وہی بیماروں کو شفاء دیتا ہے اور وہی ہماری دعاؤں کا سننے اور قبول کرنے والا ہے۔ تمام کائنات اس کے قبضہ قدرت میں ہے، وہی بلا شرکت غیرے اس میں مُتصرّف ہے۔ تمام جہان کا چلانے والا ہے، اس کی ذات وہ ہے جس کے لیے فنا نہیں ہے، وہی پیدا کرتا ہے، وہی رزق دیتا ہے، وہی کھیتیاں اگاتا ہے، وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے۔

عزت ہو یا ذلت، منع ہو یا عطا، بلندی ہو یا پستی، اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ہوائیں وہی چلاتا ہے، بارش وہی برساتا ہے، سورج ہو یا چاند، غرض تمام کائنات میں صرف اسی کی حکومت ہے، وہی عالم الغیب والشہادۃ ہے، وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی، علیم بھی ہے اور خبیر بھی............ وہ نہ دنیا میں نظر آتا ہے نہ آخرت میں نظر آئے گا، وہ ذات میں صفات میں، افعال میں، اور عبادات میں واحد و یکتا ہے۔ کسی چیز میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یہ ہے عقیدۂ توحید کے اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل، جو خود خداوند عالم نے قرآن مجید میں جا بجا اور بار بار پیش فرمائی ہے۔ سب انبیاء کی بعثت کی سب سے بڑی غرض وغایت بھی یہی تھی کہ بنی نوع انساں کے سامنے خالق کائنات کی حقیقی توحید اور اس کی معبودیت اور اس کے اِلٰہ ہونے کی حقیقت پیش کریں۔ چنانچہ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا

فَاعْبُدُوْنِ (سورۃ الانبیاء: ۲۵)

"اے رسول! تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ پس میری ہی عبادت کرو"۔

اس عقیدہ سے ایک وسیع انسانی برادری کی تشکیل ہوتی ہے جس سے ہر فرد میں دوسرے کے ساتھ اتحاد کا احساس پیدا ہوتا ہے اور سب لوگوں میں ایک ہی نصب العین کے تحت ایک مسلک پر گامزن ہونے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور سب لوگ اپنی خواہشوں کو مشترک مقصد میں فنا کر کے اپنی خلوت وجلوت میں اپنے واحد و یکتا حاکم اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے متحد ہو جاتے ہیں۔

جس طرح آگ کا گرم ہونا، برف کا ٹھنڈا ہونا، اور ایک اور ایک کا مل کر دو ہونا بدیہی ہے کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے، بالکل اسی طرح اس عالم رنگ و بُو کے لیے قدیر و خبیر اور علیم و حکیم خالق و صانع کا ہونا اور اس کائنات ارضی و سماوی کے لیے ایک بنانے والے کا ہونا بھی ایسا بدیہی ہے کہ کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خداوندِ عالم نے ہمیشہ خوابِ غفلت میں سونے والوں کو جگانے اور منکروں کو قائل بنانے کے لیے صرف یہ تنبیہ کی ہے:

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۃ ابراھیم: ۱۰)

"بھلا اس خدا کے وجود میں کوئی شک و شُبہ ہو سکتا ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے؟"۔

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغوں نے گیت گایا تیرا

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
غرض انکار کسی سے بھی نہ بن آیا تیرا
(حالی)

یہی وجہ ہے کہ مشرکین عرب بھی خدا کے وجود کے منکر نہ تھے، وہ خدا کو موجود بھی مانتے تھے، اور زمین و آسمان کا خالق و مالک بھی جانتے تھے۔ ہاں ان کی توحید خالص نہ تھی، بلکہ وہ بتوں کو خدا کا شریک مانتے تھے۔ جیسی خالص توحید اسلام نے پیش کی ہے، ادیانِ عالم میں اس کی نظیر نظر نہیں آتی اور اس کی جیسی وضاحت سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام نے کی ہے اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ اس سلسلہ میں نہج البلاغہ اور صحیفہ سجادیہ بطور نمونہ پیش کیے جاسکتے ہیں۔

② عدل

خدا کو عادل جاننا دراصل عقیدۂ توحید کا ہی ایک شعبہ ہے جس طرح خدا کی ذات بلند و برتر ہے اور کامل ہے، اسی طرح اس کے افعال بھی کامل ہیں۔ ان میں کسی قسم کے نقص، فساد اور برائی کا گزر نہیں ہوسکتا۔ اس کا وہ قانون جو سب بندوں بلکہ سب مخلوق میں جاری و ساری ہے وہ عدالت ہے۔ یعنی اس کا ہر کام حکمت و مصلحت کے موافق ہے۔ وہ نہ کسی کی حق تلفی کرتا ہے نہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ کوئی عبث اور بے مقصد کام کرتا ہے۔ وہ بندوں سے بھی عدل و انصاف کا تقاضا کرتا ہے، اس نے انسان کو فاعل مُختار بنایا ہے، وہ چاہتا ہے کہ بندے اس اختیار کو قانونِ عدالت کے مطابق صرف کریں۔ عدل کی ضد ظلم ہے۔ خدا ظالموں پر لعنت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ انسان بالکل مجبور و مقہور ہے، سب کچھ خدا کرتا کراتا ہے، یہ بھی خلافِ عدل اور خلافِ اسلام ہے۔

اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انسان بالکل مُطلق العنان ہے، بلکہ حقیقت الامر وہ

ہے جو بانئ اسلام ﷺ کے چھٹے جانشین حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے:

"لا جبر و لا تفویض بل امر بین الامرین"

لہٰذا جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔

③ نبوت

جب یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک ہے اور وہ ہے بھی عادل و حکیم کہ کوئی کام عبث و بے مقصد نہیں کرتا۔ تو پھر قدرتی طور انسانی ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے یہ کائنات کیوں بنائی؟ اور بالخصوص اس نے حضرت انسان کو خلعتِ وجود کیوں عطا فرمائی ہے؟ وہ کیا چاہتا ہے، اس کی رضا و ناراضگی کن باتوں میں مُضمر ہے؟ ہماری نا اہلی کی وجہ سے نہ تو وہ ہم سے کلام کرتا ہے اور نہ ہی ہم اس سے کلام کرسکتے ہیں۔ اس لیے عقل و شرع کہتی ہے کہ خالق اور عام مخلوق کے درمیان کچھ وسیلے ہونے چاہئیں، جو خدا سے پیغام لیں اور مخلوق تک پہنچائیں۔

حاکم مُطلق یعنی خدائے واحد و یکتا کے احکام و قوانین اس کی رعایا اور مخلوق تک پہنچانے اور ان کا عملی اجراء کرنے کرانے والوں کو ہی رسول و نبی کہا جاتا ہے۔ چونکہ نبی عام مخلوق میں خدا کا نمائندہ ہوتا ہے اور سب پر اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے، اس کے احکام خدا کے احکام ہوتے ہیں، اس کے بالمقابل کسی کو رائے زنی، قیاس آرائی کرنے اور اس کے فیصلے کے سامنے کسی کو چون و چرا کرنے کا حق نہیں ہوتا؛ اس لیے عقل سلیم اور شرع قویم کہتی ہے کہ اسے نہ صرف انسان بلکہ انسانِ کامل ہونا چاہیے۔ انسان اس لیے کہ بنصِّ قرآن وہ اشرف المخلوقات ہے اور سیرت و

کردار میں کامل اس لیے کہ اس نے ناقصوں کی تربیت کر کے ان کو کامل بنانا ہے۔ لہٰذا خود اسے معصوم عن الخطا ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس نے گنہگاروں کو نیکوکار بنانا ہے۔ نیز اسے لوگوں کی دینی ضروریات کا عالم، اور عالم بھی علمِ لَدُنّی ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس نے جاہلوں کو عالم بنانا ہے اور ان کو علم دین سکھانا ہے، اسے بہادر ہونا چاہیے۔ کیونکہ امن ہو یا خوف، صلح ہو یا جنگ، ہر حال میں اس نے دین پہنچانا اور پھیلانا ہے۔

اَلغَرَض! اسے تمام انسانی کمالات سے متّصف اور تمام انسانی نقائص سے پاک وصاف ہونا چاہیے، تاکہ اس کی سیرت وکردار لوگوں کے لیے ایک مثال ومعیار قرار پاسکے...... یہ نبوت جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی تھی، عبداللہ وآمنہ کے لعل، حسنینؑ شریفین کے جد نامدار حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی صفات پر ختم ہوگئی۔ اب قیامت تک ان کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا...... اب قیامت تک ان کے بعد انہی کی ذات بابرکات کا اسوۂ حسنہ ساری کائنات کے لیے خضرِ راہ اور مشعل ہدایت رہے گا۔ ؎

رُخِ مُصطفےٰؐ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دُوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

④ اِمامت:

موت برحق ہے جس سے خدا کے سوا کوئی ہستی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ ع

جب احمدؐ مُرسل نہ رہے کون رہے گا؟

بنابریں نبی ورسول کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد...... اگر رعایا کے لیے کسی مرکز کا کوئی انتظام نہ کیا جائے اور خدائی قانون کے جاری کرنے والے اور پیغمبر کی لائی ہوئی شریعت کی حفاظت کرنے والے کا کوئی بندوبست نہ کیا جائے، بلکہ عام لوگوں کو مُطلق العنان اور ان کو اپنی رائے اور مرضی کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دے دی

جائے تو نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ لوگ افتراق و انتشار کا شکار ہو جائیں گے، اور نبی و رسول نے امت میں جو نظم و ضبط پیدا کیا تھا اور جس طرح مختلف لوگوں کی شیرازہ بندی کی تھی، اس کا شیرازہ بکھر جائے گا، اور اس طرح نبی و رسول کی آمد اور تقرری کا جو مقصد تھا وہ فوت جائے گا۔ لہٰذا خدائے حکیم کے لیے محال ہے کہ وہ ایسا کرے اور اپنے کیے پر خود پانی پھیر دے۔

بنا بریں امت کو انتشار سے بچانے، اس کے لیے مرکز قائم کرنے، اور نبی کے بعد خدا کے قانون کو چلانے اور نافذ کرنے کا نام عقیدۂ امامت ہے، جو ذات نبی و رسول مقرر کرتی ہے وہی ذات ان کے جانشین کا انتظام کرتی ہے۔

خُلاصہ یہ کہ امامت نصی ہے اجماعی یا شورائی نہیں ہے جس طرح ہر شخص نبی و رسول نہیں بن سکتا، بلکہ اس کے کچھ خُصُوصیات ہیں جو اس میں پائے جانے ضروری ہیں، جیسا کہ ابھی اوپر ان کو ضروری وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے، اسی طرح ہر شخص نبی کا قائم مقام بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس طرح نبی خدا کا نمائندہ ہوتا ہے، اسی طرح امام بھی خدا کا نمائندہ ہوتا ہے۔ جس طرح نبی کی اطاعت خدا کی اطاعت ہوتی ہے اسی طرح امامؑ کی اطاعت خدا اور رسولؐ کی اطاعت ہوتی ہے۔

الغَرَض! اس مرکز میں اصلی حکومت خدا کی ہوتی ہے اور اس کی نمائندگی میں رسول اور اس کے جانشین مرکز اتباع ہوتے ہیں اور نظامِ اسلام چلاتے ہیں اسی لیے نبی کی طرح امام کے لیے بھی عصمت، علم لدنی اور شجاعت ضروری ہے۔

خُلاصہ یہ کہ کسی نبی کی مسند کا وارث وہ ہوگا جو نبی کے اوصاف و کمالات کا آئینہ دار نظر آئے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس معیارِ امامت پر صرف بارہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہی پورے اترتے ہیں، لہٰذا خلافتِ الٰہیّہ اور امامتِ ربانیہ کے علمبردار اور

حق دار صرف وہی ذواتِ قادسہ ہیں۔ ؎

علیؑ ہے نفسِ مُصطفٰےؐ وہی سب اس میں عادتیں
سپہر تھرتھرا گیا دِکھائیں وہ شجاعتیں

زمین جگمگا اٹھی وہ دِل سے کیں عبادتیں
تنِ ابو تراب سے چمک رہی تھیں آیتیں

رکوع میں، سجود میں، قیام میں، قعود میں

اور مخفی نہ رہے کہ اگر کسی وقت امام برحق تک دسترس نہ ہو سکے (جیسا کہ موجودہ دَور میں یہی صورتِ حال ہے) تو جو حضرات عمومی طور پر نائب امام ہوں گے یعنی علمائے اعلام، وہی مرکز امت بن کر نظامِ اسلام چلائیں گے اور تبلیغ اسلام اور اس کی حفاظت کا فریضہ ادا فرمائیں گے۔

⑤ قیامت:

خداوند عالم کے مقرر کردہ نظام اسلام کی پابندی اور اس کے مقرر کردہ نبیوں، رسولوں اور ان کے صحیح جانشینوں کی اطاعت کرنے والوں کے لیے جزاء اور مخالفت کرنے والوں کے لیے سزا کا انتظام واہتمام اشد ضروری ہے، تاکہ مُطیع وفرمانبردار اور عاصی ونافرمان کے درمیان امتیاز کیا جا سکے۔ اسی جزا اور سزا والے دن کو قیامت کا دن کہتے ہیں۔

قرآن مجید کا بہت سا حصّہ قیامت کی (حقانیت)
اور اسکی تفصیلات بیان کرنے سے لبریز نظر آتا ہے

تیسرا باب

انسان کے جسم و نفس سے مرکب ہونے کا تذکرہ

اربابِ دانش وبینش پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ ہر انسان دو چیزوں سے پیدا ہوا ہے۔ ایک کا نام ظاہری بدن ہے، جسے جسم بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرا نفس ہے جسے روح، جان اور دل بھی کہا جاتا ہے [۱]۔

بدن اور جسم کا تعلّق مادی عالم ناسوت سے ہے۔ اور نفس و روح کا تعلّق عالم ملکوت سے ہے۔ جو مادی جسم سے مبرا ہے۔ جسم و نفس کے اختلاط و امتزاج کا نام حیات ہے، اور جسم و نفس کی جدائی کا نام موت ہے۔ کل نفس ذائقة الموت یعنی:

جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدؐ مُرسل نہ رہے کون رہے گا ؟

جس طرح جسم کے لیے صحت اور بیماری اور رنج و راحت ہے اور اس کی صحت و مرض کے علل و اسباب ہیں جن کا بیان علم طب وڈاکٹری میں کیا جاتا ہے اور معالج کو حکیم و ڈاکٹر کہتے ہیں، اسی طرح نفس و روح کے لیے بھی صحت و بیماری اور رنج و راحت ہے اور اس کے بھی کچھ علل و اسباب ہیں اور ان کے معالج کو نبی و رسول اور امام اور علماء اعلام کہتے ہیں۔ نفس و روح کی معرفت و شناخت ضروری ہے۔ کیونکہ اسی کی معرفت پر خدائے تعالیٰ کی معرفت موقوف ہے۔ جیسا کہ حضرت رسولِ خداؐ یا حضرت امیرؑ سے مروی ہے: "من عرف نفسه فقد عرف ربه" یعنی "جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا

---

[۱] نفس و روح مادی جسم سے مبرا ہے۔ آیا کوئی لطیف و نورانی جسم رکھتا ہے یا نہ؟ اس میں علماء میں اختلاف ہے۔ تفصیل احسن الفوائد میں ملاحظہ کی جائے۔ (منہ عفی عنہ)

اس نے اپنے پروردگار کو بھی پہچان لیا"۔ ظاہر ہے کہ انسان کو عام حیوانات پر جو فضیلت حاصل ہے وہ اسی نفس وروح اور عقل کی وجہ سے ہے۔ جس سے خدائے حکیم نے تمام حیوانات کو محروم رکھا ہے اور اپنے خاص فضل وکرم سے حضرت انسان کو نوازا ہے اور بمطابق "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ" کرامت کا تاج اس کے سر پر اور بمطابق "فَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا" فضیلت کا لباس اس کے در بر فرمایا ہے جس کی وجہ سے حضرت انسان تخلیق کائنات کا شاہکار ہے۔ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ"۔ یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات نے بے حد وحساب مخلوقات سے کسی مخلوق کی خلقت پر فخر وناز نہیں کیا۔ اگر فخر کیا ہے تو انسان کی خلقت پر۔ "فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ"۔ ع

یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

نفس کی صحت ومرض کے اسباب کیا ہیں؟

ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے کہ جسم کی طرح نفس وروح کی صحت ومرض کے بھی کچھ مخصوص علل واسباب ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیا ہیں؟ اس سوال کا وہ جواب جو خالق کائنات کے کلام (قرآن) اور سرکار محمد وآلِ محمد علیہم السلام کے فرمان سے واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نفس کی صحت وسلامتی اور اس کی ترقی کا راز اخلاقِ عالیہ وحسنہ سے مزین ہونے میں ہے اور اس کی بیماری اور تنزل کا راز اخلاقِ رذیلہ وذمیمہ میں مُضمر ہے۔ اور جس علم وفن میں اخلاقِ عالیہ وحسنہ اور اخلاقِ رذیلہ وذمیمہ کا تفصیلی بیان ہوتا ہے نیز اخلاقِ عالیہ حاصل کرنے اور اخلاق رذیلہ سے اجتناب کرنے کا طریقہ کار بیان کیا جاتا ہے اس علم کو اصطلاح میں علم الاخلاق کہا جاتا ہے۔

علم الاخلاق کی فضیلت و شرافت

اور اسی سابقہ بیان نیر البرہان سے اس علم کی جلالت وجزالت اور فضیلت و شرافت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اسی علم کے بارے میں پیغمبر اعظم ﷺ نے فرمایا: "اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ" اور اسی کے بارے میں فرمایا: "اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا"۔ نیز آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: "ان حسن الخلق ذهب بخير الدنيا والآخرة" (جامع السعادات) حسن خلق دنیا و آخرت کی تمام خوبیاں لے گیا۔ نیز فرمایا: "اكثر ما يلج به امتی الجنة تقوى الله و حسن الخلق" (ایضاً) "جس چیز کی وجہ سے میری امت کے اکثر لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہ تقویٰ اور حسن خلق ہے"۔ نیز فرمایا: "ما يوضع فی ميزان امرء يوم القيامة افضل من حسن الخلق" (ایضاً) "قیامت کے دن آدمی کے میزان عمل میں کوئی ایسی چیز نہیں رکھی جائے گی جو حسنِ خلق سے افضل ہو"۔ نیز فرمایا کہ آدمی حسن خلق کی وجہ سے صائم النہار اور قائم اللیل کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ (ایضاً) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "البر و حسن الخلق يعمران الديار و يزيدان فی الاعمار"۔ "نیکی اور حسنِ خلق شہروں کو آباد کرتے ہیں اور زندگیوں کو بڑھاتے ہیں"۔ (اصول کافی)
نیز بدخلقی کی مذمت میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان سے حسن خلق کی فضیلت پر بڑی تیز روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً حضرت رسولِ خدا ﷺ فرماتے ہیں: "سوء الخلق يفسد العمل كما يفسد الخل العسل"۔ "بدخلقی آدمی کے عمل کو اس طرح خراب کرتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کرتا ہے"۔ (ایضاً) نیز فرمایا: "سُوْءُ الْخُلُقِ ذَنْبٌ لَّا يُغْفَرُ"۔ "بدخلقی ایک ایسا گناہ ہے جو کبھی معاف نہیں ہوگا"۔ (ایضاً) نیز حدیث میں وارد ہے کہ بدخلق آدمی کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ ایک گناہ سے توبہ کر نہیں پاتا کہ

بدخلقی اسے دوسرے گناہ میں مبتلا کر دیتی ہے۔ (ایضاً) علاوہ بریں چونکہ کسی علم کی فضیلت کا دارومدار اس کے موضوع کی جلالت پر ہوتا ہے، بنابریں اس علم کا موضوع چونکہ نفس انسانی ہے جو اشرف المخلوقات اور افضل الموجودات ہے تو یہ علم بھی اشرف العلوم ہوگا۔ اور سوائے علم کلام و تفسیر و حدیث اور فقہ کے باقی سب علوم سے افضل ہوگا۔ بہرحال یہ بات مُسلّم ہے کہ کبھی اخلاقِ عالیہ کی برکت سے انسان "لولاك لما خلقت الافلاك" کا مصداق بن جاتا ہے اور کبھی اخلاقِ رذیلہ کی وجہ سے "اولئك كالانعام بل هم اضل" کا سزاوار قرار پاتا ہے۔

تہذیبِ اخلاق کا فائدہ

اب تک اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا نتیجہ اور ثمرہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سعادتِ دارین و فلاحِ کونین کا طلبگار رہے تو یہ مقصد جلیل اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے نفس کو اخلاقِ عالیہ سے آراستہ نہ کرے اور اخلاقِ ذمیمہ سے پاک نہ کرے، اسی کا نام ہے "تہذیب الاخلاق" ہے۔ پس خوش قسمت ہے وہ انسان جو اخلاقِ عالیہ اور صفاتِ جمیلہ و جلیلہ اپنے اندر پیدا کرے اور پھر اس پر ثابت قدم بھی رہے۔ زمانہ کی کوئی گردش اور اس کا کوئی انقلاب اس کے پائے ثبات میں جنبش پیدا نہ کر سکے اور اخلاقِ ذمیمہ اور صفاتِ رذیلہ سے اپنی حفاظت کرے۔ ظاہر ہے کہ کسی کام کے بار بار کرنے اور کسی کام کے کبھی نہ کرنے سے اچھے کام کے کرنے اور برے کام سے بچنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کے بعد آدمی کو کوئی اچھا کام کرنے اور برے کام سے دامن بچانے میں کچھ دقت اور کوفت محسوس نہیں ہوتی۔

☆

چوتھا باب

مملکتِ بدن کا بادشاہ نفس و روح ہے

اور عقل، شہوت اور غضب اس کے حکام ہیں
اور باقی اعضاء و قویٰ کے
ان کے رعایا اور خدام ہونے کا تذکرہ

خداوند عالم نے مملکتِ بدن کا بادشاہ نفس و رُوح کو قرار دیا ہے اور اس کے وزراء و امراء تین قویٰ کو قرار دیا ہے جو یہ ہیں: ① عقل ② غضب اور ③ شہوت اور باقی اعضاء و جوارح اور قویٰ کو ان کا خادم اور رعایا و تابعدار بنایا ہے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خالق اکبر نے ملائکہ کو عقل سے نوازا ہے مگر ان کو شہوت و غضب نہیں دیا۔ عام حیوانات کو غضب اور شہوت دی ہے مگر دولت عقل سے محروم رکھا۔ لیکن حضرت انسان کو ان تینوں قوتوں سے نوازا ہے، چنانچہ اس میں عقل بھی ہے اور غضب و شہوت بھی۔ لہٰذا اگر ایک انسان اپنی قوتِ غضبیہ و شہویہ کو عقل کے تابع کرے تو وہ ملائکہ سے افضل قرار پاتا ہے اور اگر عقل کو غضب و شہوت کے تابع کر دے تو حیوانات سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔
(دُرر و غرر)

① قوتِ عقلیہ کو ایک وزیر باتدبیر کا مرتبہ حاصل ہے۔ جو نفس و روح کی راہنمائی کرتی ہے اور اسے عادلانہ حکومت قائم کرنے اور راہِ راست سے منحرف نہ ہونے کی تدبیر سکھاتی ہے۔

۲) قوتِ غضبیہ، مملکت بدن کی بیرونی خطرات اور نقصانات سے حفاظت کرتی ہے اور اگر قوتِ شہوت بے لگام ہونے لگے تو یہی قوتِ غضبیہ اسے راہِ راست پر لاتی ہے۔

۳) قوتِ شہویہ اگر عقل کے تابع ہو تو مملکت بدن کے خورد و نوش اور بقاء نسل کا اِہتمام کرتی ہے۔

ان تینوں قوتوں کے حد اعتدال پر رہنے کا نام علم الاخلاق میں عدالت ہے، جو کہ صراطِ مستقیم ہے

یعنی اگر قوتِ غضبیہ حد وسط اور حد اعتدال پر قائم ہو تو اس سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر قوتِ شہویہ حد اعتدال پر ہو تو اس سے عفت پیدا ہوتی ہے اور قوتِ عقلیہ حد اعتدال پر ہو تو اس سے حکمت پیدا ہوتی ہے اور انہی تین صفاتِ جلیلہ کا نام علم الاخلاق میں عدالت ہے۔ اور یہی چیز اخلاق کی دُنیا میں صراطِ مستقیم کہلاتی ہے، اور یہی تین صفات ہر کمال و جمال کا منبع اور مصدر ہیں۔ کما لا یخفی۔

اس کی مختصر وضاحت یوں ہے کہ:

قوتِ عقلیہ حد اعتدال پر ہو تو اس سے حکمت پیدا ہوتی ہے...... لیکن اگر یہی قوت افراط کی طرف مائل ہو جائے تو اس سے جربزہ پیدا ہوتا ہے اور اگر

تفریط کی طرف مائل ہو جائے تو اس سے بلہ (بے وقوفی) پیدا ہوتی ہے۔

(۲) اگر قوتِ غضبیہ حد اعتدال پر ہو تو اس سے شجاعت پیدا ہوتی ہے......اور اگر مائل بافراط ہو جائے تو اس سے تہور (اجڈپن) پیدا ہوتا ہے اور اگر مائل بہ تفریط ہو جائے تو اس سے جبن (بزدلی) پیدا ہوتی ہے۔

(۳) اسی طرح اگر قوتِ شہویہ حد اعتدال پر ہو تو اس سے عفت پیدا ہوتی ہے...... اور اگر مائل بہ افراط ہو جائے تو اس سے شرہ (کھانے پینے اور جماع کرنے کا شدید جذبہ) پیدا ہوتا ہے اور اگر مائل بہ تفریط ہو جائے تو اس سے خمود (کھانے پینے اور مباشرت سے مکمل بے رغبتی) پیدا ہوتی ہے۔

یہ صفاتِ ذمیمہ تمام صفاتِ
قبیحہ اور اخلاقِ رذیلہ کا
محور و مصدر
ہیں

☆

پانچواں باب

ارباب بصیرت پر مخفی و مستور نہیں ہے کہ علم الاخلاق کے نقطہ نظر سے اخلاق رذیلہ اور جرائم قبیحہ کی دو قسمیں ہیں: ① کچھ وہ ہیں جن کا تعلق انسانی اعضاء و جوارح یعنی اس کے بدن کے ساتھ ہے اور ② کچھ وہ ہیں جن کا تعلق انسانی نفس اور اس کے دل و دماغ سے ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کو "جرائم الجوارح" کہا جاتا ہے، اور دوسری قسم کو "ذمائم القلب" کا نام دیا جاتا ہے...... ظاہر ہے کہ کوئی بھی آدمی اس وقت تک اخلاقِ عالیہ کے زیور سے آراستہ و پیراستہ نہیں ہوسکتا جب تک اپنے آپ کو ہر دو قسم کے جرائم کے ارتکاب سے محفوظ نہ کر لے۔ کیونکہ صحت کی لذت سے لطف اندوز ہونے کے لیے پہلے بیماری سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ذیل میں اس اجمال کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

جرائم الجوارح یعنی حق اللہ و حق العباد

جرم جوارحی سے مراد ہر وہ کام ہے جو حکم خداوندی کے مخالف ہو۔ اس کی پہلی تقسیم تو یہ ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کا نام حق اللہ ہے اور دوسری قسم کا نام حق العباد ہے۔ اگرچہ شریعت میں ہر دو حقوق کی ادائیگی ضروری ہے۔ مگر حق العباد کا معاملہ زیادہ سخت اور اس کی ادائیگی کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔

گناہانِ صغیرہ و کبیرہ کا بیان

اور اس کی دوسری تقسیم یہ ہے کہ یہ جرائم اور گناہ دو قسم پر منقسم ہیں۔
① ایک صغیرہ اور ② دُوسرا کبیرہ۔

گناہانِ صغیرہ و کبیرہ کی تعریف

گناہانِ صغیرہ و کبیرہ کی تشریح و توضیح میں علماء کرام میں شدید اختلاف ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ کوئی گناہ بھی صغیرہ نہیں ہے، بلکہ تمام گناہ کبیرہ ہیں۔ کیونکہ گناہ کرنے میں جس ذات کی مخالفت کی جاتی ہے وہ چھوٹی سی نافرمانی کرنے کے بھی لائق نہیں ہے۔ اور بعض کا بیان یہ ہے کہ یہ تقسیم اضافی ہے۔ یعنی ہر گناہ اپنے سے بڑے گناہ کی بہ نسبت صغیرہ اور اپنے سے چھوٹے گناہ کی نسبت سے کبیرہ ہے۔ مگر تحقیقی قول یہ ہے کہ در حقیقت گناہ کی دو قسمیں موجود ہیں۔ ارشادِ قدرت ہے:

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَ نُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا (سورۃ النساء: ۳۱)

یعنی اگر تم نے کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا تو ہم تمھارے دوسرے (صغیرہ) گناہ معاف کر دیں گے۔ ــــــ الخ

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گناہانِ کبیرہ اور صغیرہ کا وجود ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ گناہِ کبیرہ کونسا گناہ ہے؟ تو بنا بر تحقیق ہر وہ گناہ جس کے ارتکاب پر قرآن و سنت میں جہنم کی وعید و تہدید وارد ہوئی ہے اسے گناہِ کبیرہ کہا جاتا ہے اور جو ایسا نہیں ہے وہ گناہِ صغیرہ ہے۔

گناہانِ کبیرہ کا بیان

ذیل میں گناہانِ کبیرہ کی اجمالی فہرست مع مُختصر تشریح وتوضیح پیش کی جاتی ہے، جو مُتعدّد کتبِ فقہ وکتب حدیث اور کتب اخلاق سے ماخوذ ہے۔

① پہلا گناہِ کبیرہ شرک ہے بلکہ یہ گناہ صرف کبیرہ ہی نہیں ہے بلکہ اکبر الکبائر ہے۔ خواہ خدا کی ذات میں شرک کیا جائے یا صفات میں یا اس کے افعال میں کیا جائے یا اس کی عبادت میں۔ اس کی مُختصر تشریح یہ ہے کہ عقیدہ توحید اس وقت تک مُکمل نہیں ہوتا جب تک خداوند عالم کو چار چیزوں میں واحد و یکتا نہ سمجھا جائے۔ یعنی ذات میں، صفات میں، افعال میں اور عبادت میں جس کا نام توحید ذاتی، توحید صفاتی، توحید افعالی اور توحید عبادتی ہے۔ ع

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مُسلماں

مقصد یہ ہے کہ خدا کی ذات جو کہ واجب الوجود ہے اور ساری کائنات ممکن الوجود، تو اگر کوئی آدمی صوفیوں کی طرح وحدۃ الوجود کا قائل ہو اور اس کی ذات میں کسی مخلوق کو شریک قرار دے تو یہ شرک ذاتی ہو گا۔ اور اگر کوئی شخص کسی بھی مخلوق کو خدا کی صفات میں شریک قرار دے (جبکہ اس کی صفات جلال و جمال ذاتی ہیں اور مخلوق کی عطائی) تو یہ شرک صفاتی تصور ہو گا۔ اور اگر کوئی فرقہ جیسے مُفوضہ اور شیخیہ خدا کے ان خاص افعال میں جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے امور تکوینیہ مثل خلق و رزق اور موت و حیات اور صحت و مرض وغیرہ میں کسی مخلوق کو اس کا شریک بنائے تو یہ شرک افعالی مُتصوّر ہو گا۔ اور اگر کوئی گروہ یا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں (ولا معبود الا ہو) کسی مخلوق کو شریک قرار دے تو یہ شرک عبادتی سمجھا جائے گا۔ جیسے کسی بھی مخلوق کو سجدہ کرنا، خواہ عبادت کی نیت سے ہو یا تعظیم کی غرض سے۔ خلاصہ یہ کہ توحید کے

چہارگانہ اقسام میں سے ہر قسم کے مقابلہ میں شرک کی ایک قسم جنم لے گی۔ اور شرک شریعت میں ناقابل معافی جرم ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (سورۃ النساء: ۴۸)

یعنی خدا کبھی شرک معاف نہیں کرے گا، ہاں البتہ اس کے علاوہ جو گناہ ہیں وہ جسے چاہے گا معاف کر دے گا۔

اور شرک بنصِ قرآن ظلم عظیم ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (سورۃ لقمان: ۱۳)

کہ شرک عظیم (بڑا) ظلم ہے۔

اور پھر یہ بھی معلوم ہے کہ "لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ" خدا ظالموں پر لعنت بھیجتا ہے...... اور ظاہر ہے کہ جو لعنتی ہے وہ جہنم کا سزاوار ہے۔ اور سقر اس کا مقر ہے۔ مشرک بنصِ قرآن نجس ہے۔

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (سورۃ التوبۃ: ۲۸)

اس لیے وہ جنت جیسے پاک و پاکیزہ محل میں داخل ہونے کا اہل نہیں ہے۔ "انما الجنة للموحدین"۔

② دوسرا گناہِ کبیرہ قتل مومن ہے...... شرک کے بعد جو سب سے بڑا گناہ ہے وہ کسی مومن کو قتل کرنا ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (سورۃ النساء: ۹۳)

جو جان بوجھ کر کسی بندہ مومن کو قتل کرے اس کی پانچ سزائیں ہیں ① وہ جہنم میں جائے گا ② اس میں ہمیشہ معذب ہوتا رہے گا ③ اس پر اللہ تعالیٰ کا

قہر و غضب ہوگا ④ اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا⑤ اور اس کے لیے خدائے قہار نے بہت بڑا عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

نیز ارشادِ قدرت ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا (سورۃ المائدۃ: ۳۲)

یعنی جو شخص کسی شخص کو بے جرم و بے خطا قتل کرے یعنی نہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو اور نہ ہی اس نے زمین میں فساد پھیلایا ہو تو اس کا قاتل ایسا سمجھا جائے گا کہ جیسے اس نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا ہے۔

اس ارشادِ قدرت سے قتل کے جرم کی سنگینی کا بآسانی اندازہ ہو جاتا ہے۔ شریعت مُقدّسہ اسلامیہ میں اہل ایمان کے مال، جان، اور عزت و ناموس کو محترم قرار دیا گیا ہے اور ان کی ہتکِ حرمت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک بندۂ مومن کو قتل کیا ہے اس کی سزا کیا ہے؟ فرمایا:

یقال له مت ای میتة شئت ان شئت یهودیا و ان شئت نصرانیا و ان شئت مجوسیا (اصول کافی)

یعنی اس کی موت کے وقت اس سے کہا جاتا ہے کہ جس موت چاہے مر، چاہے تو یہودی ہو کر، چاہے تو نصرانی ہو کر اور چاہے تو مجوسی ہو کر مر (یعنی تیرے مُسلمان ہو کر مرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے)

نیز انہی جنابؑ سے مروی ہے، فرمایا:

لا یوفق قاتل المؤمن للتوبة (وسائل الشیعه کتاب القصاص)

کہ مومن کے قاتل کو توبہ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے، فرمایا:

لو ان رجلا قتل بالمشرق فرضی بقتلہ رجل بالمغرب لکان الراضی عند اللہ شریك القاتل۔

یعنی کوئی شخص مشرق میں قتل کیا جائے اور مغرب میں رہنے والا کوئی شخص اس کے قتل پر خوش ہو تو وہ عند اللہ قاتل کے ساتھ شریکِ جرم تصور کیا جائے گا۔

(وسائل الشیعہ کتاب الامر بالمعروف)

خودکشی بھی قتل مومن کی طرح گناہِ کبیرہ ہے

شریعت محمدیہ کے احکام پر معمولی نگاہ رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ جس طرح کسی اور اہل اسلام وایمان کو قتل کرنا گناہِ کبیرہ ہے اسی طرح اپنے آپ کو قتل کرنا یعنی خودکشی کرنا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (سورۃ البقرۃ: ۱۹۵)

یعنی اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

ان المومن یموت بکل میتۃ غیر انہ لا یقتل نفسہ

یعنی مومن ہر قسم کی موت مر سکتا ہے لیکن وہ خود کو قتل نہیں کر سکتا۔

(وسائل الشیعہ باب القصاص)

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

من قتل نفسہ متعمدا فھو فی نار جھنم خالدا فیھا

(وسائل الشیعہ)

"جو شخص عمداً اپنے آپ کو قتل کرے وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا"۔

لہٰذا وہ کم عقل اور کم ہمت لوگ جو بات بات پر اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتے ہیں میں ان سے پوچھتا ہوں کہ ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہو کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

۳۔ تیسرا گناہِ کبیرہ زنا کاری ہے...... زنا کاری کے گناہِ کبیرہ ہونے پر تمام فرقِ اسلام کا اتفاق ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ج ط وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ (الفرقان: ۶۸_۶۹)

"اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے وہ ہیں جو اس کے ساتھ کسی اِلٰہ کو نہیں پکارتے اور نہ ہی کسی ایسے بندہ کو قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو خدا نے حرام قرار دیا ہے۔ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ گناہ کریں گے وہ اثام (جہنم میں ایک...... وادی ہے) کا سامنا کریں گے اور قیامت کے دن ان کا عذاب دوگنا ہوگا اور ذلیل وخوار ہو کر دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے"۔

نیز فرماتا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ (سورۃ الاسراء: ۳۲)

"زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔ کیونکہ یہ بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے"۔

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ زنا کاری کے چھ آثار ہیں، تین دنیا

میں اور تین آخرت میں۔ دنیا والے تین آثار یہ ہیں: ① اس سے آبروریزی ہوتی ہے ② رزق میں کمی واقع ہوتی ہے ③ موت میں جلدی ہوتی ہے۔ اور آخرت والے تین آثار یہ ہیں: ① خداوند عالم کے قہر و غضب کا باعث ہے ② حساب و کتاب کی سختی کا موجب ہے ③ جہنم میں ہمیشگی کا سبب ہے۔ (کتاب الخصال للشیخ الصدوقؒ)

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: "الغیور لا یزنی قط" یعنی "غیرت مند مرد کبھی زنا نہیں کرتا"۔ (نہج البلاغہ) کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ جو دوسرے لوگوں کی عزت خراب کرے گا، لوگ بھی اس کی عزت خراب کریں گے۔ اس لیے فرمایا: "عفوا تعف نساءکم" "تم خود عفیف بن جاؤ تمہاری عورتیں خود بخود عفیف اور پاکدامن بن جائیں گی۔ (ایضا)

بہرحال زناکاری بے شمار معاشرتی تباہ کاریوں کا باعث بنتی ہے۔ مثلاً: اس سے نسب تباہ ہوتا ہے، لاوارث بچے پیدا ہوتے ہیں، نطفہ کی تاثیر سے بالعموم ولد الزنا بدکار ہوتے ہیں، اس سے کئی پوشیدہ امراض پھیلتے ہیں، زناکاری سے صحت اور اخلاق خراب ہوتے ہیں، اس سے دو خاندانوں کے درمیان دشمنی پیدا ہوتی ہے جس کا انجام اچھا نہیں ہوتا، زناکاری سے زانی کے چہرے کی رونق ختم ہو جاتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ فعل خالق کائنات کے قہر و غضب کا باعث ہے۔ لہٰذا اس سے اجتناب واجب و لازم ہے۔

④ **چوتھا گناہِ کبیرہ عقوق والدین یعنی والدین کی نافرمانی کرنا ہے......**

منجملہ گناہانِ کبیرہ کے جن کے ارتکاب پر قرآن و سنت میں دخولِ جہنم کی وعید و تہدید وارد ہوئی ہے ایک والدین کی نافرمانی بھی ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا (سورۃ الاسراء: ۲۳)

"اے رسولؐ! آپ کے پروردگار نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ عبادت

صرف اپنے پروردگار کی کرو اور اپنے والدین کے ساتھ احسان اور نیکی کرو"۔

حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت تو کرے مگر والدین کے ساتھ نیکی نہ کرے، اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ (خصال شیخ صدوقؒ)

نیز ارشادِ قدرت ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ (سورۃ لقمان: ۱۴)

"اے انسان! میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کر"۔

نیز ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ (سورۃ الاسراء: ۲۴)

یعنی "اگر تمھارے ماں باپ میں سے کوئی ایک یا دونوں تمھارے نزدیک بڑھاپے کی منزل تک پہنچ جائیں تو ان کے سامنے اُف بھی نہ کہہ اور نہ ہی ان کو جھڑکی دے اور ان سے اچھی بات چیت کر اور ان کے آگے ذلت و تواضع کا بازو جھکا اور بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کر کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر اس طرح رحم و کرم فرما جس طرح انھوں نے میرے بچپن میں مجھ پر رحم و کرم فرمایا ہے"۔

حضرت رسولِ خدا ﷺ فرماتے ہیں جبرئیلؑ نے کہا:

من ادرك والديه و لم يؤد حقهما فلا غفر الله له

"یا اللہ! جو شخص اپنے والدین کو درک کرے اور پھر ان کے حقوق

ادا نہ کرے تو اسے کبھی نہ بخشنا۔ اور مَیں نے کہا: "آمین"۔
(بحار الانوار)

حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام فرماتے ہیں:
ملعون ملعون من ضرب والدیہ ملعون ملعون من عق والدیہ
وہ شخص بڑا ملعون ہے جو والدین کو مارے پیٹے اور بڑا ملعون ہے وہ شخص جسے اس کے والدین عاق کر دیں۔ (مستدرک الوسائل)

حدیث قدسی میں وارد ہے:
یقال للعاق اعمل ما شئت فانی لا اغفرلک ابداً (جواھر سنیہ)
"والدین کے عاق (نافرمان) سے کہا جاتا ہے کہ تو جس قدر چاہے عمل کر لے مگر میں (خدا) تجھے کبھی نہیں بخشوں گا"۔
اور پھر والدین میں سے بھی والدہ کا حق والد سے بھی زیادہ و برتر ہے۔
حدیث میں وارد ہے: "الجنۃ تحت اقدام الامھات" یعنی: ع
کہتے ہیں ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے

⑤ پانچواں گناہِ کبیرہ سُود خوری ہے..... سُود کی حرمت کتاب و سنت، اجماع اور عقل سے ثابت ہے۔

① اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (سورۃ البقرۃ:۲۷۵)
"خدا نے بیع و شرا کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے"۔
نیز فرماتا ہے:
② يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (سورۃ البقرۃ:۲۷۶)
"خدا سُود کو مٹاتا ہے (اس سے برکت سلب کرتا ہے) اور صدقہ و خیرات کو بڑھاتا ہے"۔

① حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ الربوا و اکلہ و موکلہ و بایعہ و مشتریہ و کاتبہ و شاھدیہ (الفقیہ و التھذیب)

"کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود، اس کے کھانے کھلانے والے، فروخت کرنے والے اور خرید کرنے والے، لکھنے والے گواہوں پر لعنت کی ہے"۔

② ہشام بن سالمؒ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، فرمایا:

درھم الربوا اشد عند اللہ من سبعین زنیۃ کلھا بذات محرم

"سود کا ایک درہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے ستر زنا سے بدتر ہے جو محارم کے ساتھ کیا جائے"۔ (وسائل الشیعہ)

☆ واضح رہے کہ سُود کی دونوں قسمیں حرام ہیں۔ ① سود قرضی بھی اور ② سود معاملی بھی۔ لہٰذا سُود لینا اور سُود دینا اور اسے بود و باش کا ذریعہ بنانا حرام ہے۔ ان امور کی تفصیل فقہی کتابوں میں دیکھی جائے، جن میں ہماری کتاب "قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ" کی دُوسری جلد بھی ہے۔

⑥ چھٹا گناہِ کبیرہ پاکدامن مردوں اور عورتوں پر تہمت زنا لگانا ہے ...... کسی نیکوکار مرد یا پاکدامن عورت پر زنا کاری کا الزام لگانا ہر شریعت میں بالعموم اور شریعتِ اِسلامیہ میں بالخصوص بدترین گناہِ کبیرہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ص وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (سورۃ النور: ۲۳)

"جو لوگ پاکدامن اور مکروہاتِ دنیا سے بےخبر اور ایماندار عورتوں

پر (بدترین گناہ زنا) کی تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لیے بڑا سخت عذاب تیار ہے"۔

ایک مومن کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ اگر کسی چھپ کر گناہ کرنے والے کے گناہ پر اتفاقاً مطلع ہو جائے تو وہ وہاں سے منہ پھیر کر گزر جاتا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم ایسے اہل ایمان کی مدح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (سورۃ الفرقان:۷۲)

"جب وہ کسی بے ہودہ بات کے پاس سے گزرتے ہیں تو شریفوں کی طرح گزر جاتے ہیں"۔

لہٰذا جو مومن ہوتے ہیں وہ لوگوں کے عیب و صواب کی ٹوہ نہیں لگاتے اور مومنوں کے پوشیدہ نقائص کو لوگوں میں نہیں پھیلاتے۔ کیونکہ ایسا کرنے والوں کی خدا نے بڑی مذمت فرمائی ہے۔ ارشاد فرماتے ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (سورۃ النور:۱۹)

"جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی کی باتیں پھیلائی جائیں ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب تیار ہے"۔

اسی آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

من قال فی مؤمن ما رأت عیناہ و سمعت اذناہ مما یهدم مروته فهو من الذین قال الله فیهم اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ الآیة

"جو شخص کسی مومن کے متعلق وہ بات لوگوں کے سامنے کہے جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو اور اپنے کانوں سے سنی ہو جو کسی مومن

کی عزت وشرافت کو بنا لگاتی اور گراتی ہوتو وہ ان لوگوں کے زمرہ میں داخل ہوگا جن کے بارے میں خدا فرماتا ہے جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی کی باتوں کی تشہیر ہو"......الخ

بھلا وہ شریعت مُقدسہ جس کی نگاہ میں ایک مومن مرد اور مومنہ عورت کی یہ عزت وعظمت ہے کہ آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے گناہ کی تشہیر پسند نہیں کرتی تو وہ یہ بات کس طرح گوارا کرے گی کہ ان اہل ایمان کے بارے میں الزام تراشی اور افترا پردازی سے کام لیا جائے۔ ارشادِ قدرت ہے:

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (سورۃ النحل: ۱۰۵)

یعنی افترا پردازی وہی لوگ کرتے ہیں جو بے ایمان ہوتے ہیں

بہر حال ایسے لوگوں کی شریعت مُقدّسہ میں اسی کوڑے سزا ہے اور جب تک توبہ نہ کریں تب تک شرعی عدالت میں ان کی گواہی قبول نہیں ہے۔

(القرآن سورۃ النور)

⑦ ساتواں گناہِ کبیرہ یتیم کا مال کھانا ہے...... اگر چہ کسی بھی مُسلمان کا مال اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر کھانا حرام ہے۔ مگر بالخصوص ایک یتیم کا مال کھانا بہت بڑا گناہِ کبیرہ ہے۔ جس پر خدا نے جہنم کی وعید فرمائی ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ⑩ (سورۃ النساء: ۱۰)

"جو لوگ ظلم وستم سے یتیم کا مال کھاتے ہیں وہ دراصل (جہنم کی) آگ کھا رہے ہیں اور عنقریب وہ اور بڑی آگ کا مزہ چکھیں گے"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

ان الله عز و جل اوعد فی مال الیتیم عقوبتین الخ (وسائل الشیعہ)

"کہ خداوند عالم نے مالِ یتیم کھانے والوں کو دو سزاؤں کی تہدید فرمائی ہے۔ ایک آخرت کی ہے اور وہ آتش جہنم ہے اور دوسری دنیا کی ہے جو سلوک یہ لوگوں کے یتیموں کے ساتھ کریں گے وہی سلوک دوسرے لوگ ان کے یتیموں کے ساتھ کریں گے"۔
یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے، فرمایا:
احسنوا فی عقب غیرکم تحسنوا فی عقبکم
"دوسرے (مرحوم) لوگوں کی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرو، تاکہ تمھاری اولاد سے اچھا سلوک کیا جائے"۔ (بحارالانوار)
کیونکہ مکافاتِ عمل ایک مُسلمہ حقیقت ہے۔ کما تدین تدان۔
ولنعم ما قیل: ؎

از مکافاتِ عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جَو زِ جَو

⑧ آٹھواں گناہِ کبیرہ میدانِ جہاد سے راہِ فرار اختیار کرنا ہے...... جہاد خواہ ابتدائی ہو جس کا جواز نبی یا امام یا ان کے نائب خاص کی اجازت کے ساتھ مشروط ہے، یا دفاعی جو ہر مکان و زمان میں کیا جاسکتا ہے۔ جب کفار اسلام اور مُسلمانوں کے خلاف جنگ مُسلّط کردیں...... بہرحال جب جہاد واجب ہو تو جان بچانے کی خاطر میدانِ کارزار سے راہِ فرار اختیار کرنا اور دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگنا گناہِ کبیرہ ہے۔ جس پر خداوند عالم نے دخولِ جہنم کی وعید فرمائی ہے۔ اِرشادِ قدرت ہے:
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝١٥ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَاۗءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝١٦

"اے ایمان والو! جب معرکہ جنگ میں کافروں سے مڈبھیڑ ہوتو
ان کے سامنے سے پیٹھ نہ پھرانا، اور جو ان کے سامنے سے پیٹھ
پھرائے گا بجز تدبیر جنگ کے لیے کسی طرف ہٹتے ہوئے یا کسی
(اپنے) گروہ کی پناہ لیتے ہوئے تو وہ اللہ کے قہر و غضب
میں گرفتار ہوگا۔ اور اس کا مقام جہنم ہے اور وہ بہت بُری جائے
بازگشت ہے"۔ (سورۃ الانفال: ۱۵۔ و ۱۶)

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نہ کسی پر جارحیت کرو اور نہ کسی کو اپنے خلاف جارحیت کرنے دو۔ حضرت امیر علیہ السلام سے ایک حدیث کے ضمن میں مروی ہے ،فرمایا: "میدانِ کارزار سے راہِ فرار اختیار کرنے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے ایسا کر کے اپنے پروردگار کو ناراض کیا ہے، اور اپنے آپ کو ہلاک کیا ہے۔ اور اس نے فرار اختیار کر کے خدا کی ناراضی اور اپنی ذلت ورسوائی مول لی ہے۔ اور اس سے اس کی عمر میں اضافہ نہیں ہوگا۔ اور اس کا یہ اقدام اسے موت سے بچا نہیں سکے گا، اور حق پر مرجانا اس ذلت ورسوائی کی زندگی سے بہتر ہے"۔ (وسائل الشیعہ)

⑨ نواں گناہِ کبیرہ لواطت کرنا کرانا ہے..... ظاہر ہے کہ لواطت سے مراد مرد کا مرد کے ساتھ خلاف وضع فطری فعل بد کرنا ہے۔ یہ فعل بد زنا سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ زنا سے کوئی قوم مسخ نہیں ہوئی جبکہ لواطت سے قوم لوط ہلاک و برباد ہو چکی ہے۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ جب مرد مرد کی پشت پر سوار ہوتا ہے تو عرشِ الٰہی کانپ اٹھتا ہے۔ (وسائل الشیعہ) اور متعدد روایات میں وارد ہے کہ لوطی کو دنیا کا پانی پاک نہیں کرتا، اس لیے وہ بروز قیامت جب محشور ہوگا۔ اور خدا کے قہر و غضب اور اس کی نقمت ولعنت میں گرفتار ہوگا۔ (ایضا) یہی وجہ ہے کہ اس جرم شنیع کی سزا بھی زنا کی سزا سے سخت تر ہے۔ کما لا یخفی۔

⑩ دسواں گناہِ کبیرہ جادو کرنا، سیکھنا اور جادو سکھانا ہے...... قرآن وحدیث میں جادوگروں کی بڑی مذمت وارد ہوئی ہے۔ حتی کہ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: "الساحر کالکافر والکافر فی النار"۔ "جادوگر مثل کافر کے ہے اور کافر جہنم میں ہے"۔ (نہج البلاغہ)

نیز انہی جناب سے منقول ہے، فرمایا: "من تعلم شیئاً من السحر کان آخر عھدہ بربہ وحدہ القتل الا ان یتوب"۔ "جو شخص کچھ بھی جادو سیکھے یہ اس کا اپنے پروردگار سے آخری تعلّق ہوگا جو ختم ہو جائے گا اور اس کی شرعی سزا قتل ہے مگر یہ کہ توبہ کرے"۔ (تہذیب الاحکام وقرب الاسناد)

جادو سے مراد ہر وہ تعویذ، کلام، جنتر منتر، دھونی، تصویر، جھاڑ پھونک یا وہ گرہیں یا قسمیں وغیرہ ہیں جو کہ مسحور (جس پر جادو کیا گیا ہے) پر، یعنی اس کے بدن پر یا اس کے دل ودماغ پر اثر انداز ہوں۔ مگر تحقیقی قول کی بنا پر اس کا اثر صرف صحت ومرض اور حب وبغض وغیرہ عام عادی حالات وواقعات تک محدود ہوتا ہے، اس سے کسی چیز کی قلب ماہیت نہیں کی جا سکتی۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ جادو کا زیادہ تر اثر کمزور دل ودماغ اور کمزور ایمان واعتقاد والے لوگوں پر ہوتا ہے اور جن لوگوں کے دل ودماغ قوی اور عقائد مستحکم ہوتے ہیں اور خدا پر یقین کامل رکھتے ہیں اور اپنے گھروں میں قرآن وصحیفہ کاملہ اور نہج البلاغہ اور اس قسم کی دینی کتابیں رکھتے ہیں اور پڑھتے ہیں، ان پر جادو اثر انداز نہیں ہوتا۔ ان شاء اللہ

⑪ گیارھواں گناہِ کبیرہ جھوٹی قسم کھانا ہے...... جب شریعت مقدسہ میں جھوٹ بولنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے تو اسی جھوٹ کو پختہ کرنے کی خاطر جھوٹی قسم کھانا بھی کبیرہ گناہوں میں داخل ہے۔ اسی لیے اسے یمین غموص کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ قسم قسم کھانے والے کو جہنم میں دھکیلتی ہے۔ لہٰذا ایسی قسم کھانے سے اجتناب

واجب ہے۔ بالخصوص صادقین کے ماننے والوں کو تو اس کے نزدیک بھی نہیں جانا چاہیے۔ واللہ الموفق

⑫ **بارھواں گناہِ کبیرہ جھوٹی گواہی دینا یا سچّی گواہی کا چھپانا ہے**.....قرآن و سنت اور علماء اعلام کے اتفاق کی روشنی میں جھوٹی گواہی دینا حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"لا ینقضی کلام شاھد الزور من بین یدی الحاکم حتی یتبوء مقعدہ من النار و کذالک من کتم الشھادۃ"

جھوٹی گواہی دینے والے کا کلام حاکم کے سامنے ختم بعد میں ہوتا ہے مگر اس کا ٹھکانا جہنم میں پہلے بن جاتا ہے۔ اور یہی سزا سچّی گواہی چھپانے والے کی ہے۔ (وسائل الشیعہ)

متعدّد روایاتِ اہل بیتؑ میں وارد ہے کہ "جھوٹی گواہی دینے والے کی زبان جہنم کے نچلے طبقے میں منافقوں کے ساتھ باندھی جائے گی"۔ (ایضاً)

خداوند عالم نے ان لوگوں کی مدح و ثنا فرمائی جو ہر حال میں اپنی گواہی پر ثابت قدم رہے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ (سورۃ المعارج: ۳۳)

اسی طرح کسی آدمی کی رو رعایت یا کسی طمع و لالچ یا کسی کے اقتدار سے مرعوب ہو کر سچّی گواہی کا چھپانا بھی فعل حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (البقرہ: ۲۸۳)

"گواہی مت چھپاؤ کیونکہ جو شخص سچّی گواہی چھپائے اس کا دل گنہگار سمجھا جائے گا"۔

بعض روایات میں وارد ہے کہ یہاں "آثم" سے مراد کفر ہے۔ یعنی اس کا دل

کافر ہے۔ (ایضاً)

⑬ تیرھواں گناہِ کبیرہ رحمتِ خداوندی سے مایوس ہونا ہے...... خداوند عالم اس قدر رحیم و کریم ہے کہ جب تک کوئی بندہ گناہ کو گناہ سمجھ کر کرتا رہے، تو خدا اس کا نام عام گناہگاروں کی فہرست میں درج کرتا ہے اور اسے حکم دیتا ہے:

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (سورۃ الزمر: ۵۳)

"اے میرے گنہگار بندو! جنھوں نے گناہ پر گناہ کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو"۔

کیا کرو؟......

تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ (سورۃ النور: ۳۱)

اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (سورۃ الزمر: ۵۳)

اے اہل ایمان! تم سب توبہ کرو...... اللہ تمھارے سب گناہ معاف کرنے کے لیے تیار ہے......

لیکن جس وقت بندہ گناہ کر کے اللہ کی رحمت سے نا امید ہو جائے تو اس کا نام کافروں کی لسٹ میں درج کر دیتا ہے۔ اور فرماتا ہے:

اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ (سورۃ یوسف: ۸۷)

"اللہ کی رحمت سے وہی مایوس ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں"۔

مرزا غالب مرحوم نے کیا خوب کہا ہے: ؎

نومیدی از تو کفر و تو راضی نہ بکفر
نومیدیم دگر بتو امید وار کرد

یعنی اے اللہ! جب میں اپنے گناہوں پر نظر کرتا ہوں تو تیری رحمت سے

ناامید ہونے لگ جاتا ہوں، مگر جب میں دیکھتا ہوں کہ تو ناامید ہونے کو کفر قرار دیتا ہے ("اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ") اور پھر دیکھتا ہوں کہ تو بندوں کے کفر پہ راضی نہیں ہے ("وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ") تو میری یہ ناامیدی پھر مجھے تیری رحمت کا امیدوار بنا دیتی ہے اور اردو میں یہ شعر بھی اپنی مثال آپ ہے: ؎

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

بہر حال "رحمتِ حق بہانہ می جوید بہا نمی جوید" یعنی رحمتِ خداوندی بہانے تلاش کرتی ہے، کوئی قیمت طلب نہیں کرتی۔ ارشادِ قدرت ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (سورۃ النساء: ۱۴۷)

⑭ **چودھواں گناہِ کبیرہ فرائض خداوندی جیسے نماز و زکوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہ کا ترک کرنا ہے**...... اربابِ دانش و بینش پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ مذکورہ بالا فرائض ان ضروریاتِ اسلام میں سے ہیں جن کے وجوب و لزوم پر تمام مکاتیب فکرِ اسلامی کا اتفاق ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ان میں سے کسی واجب کے وجوب کا انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور جو عمداً اُن کو ترک کرے وہ گناہِ کبیرہ کا مُرتکب ہو کر جہنم کا سزاوار بن جاتا ہے۔ مثلاً:

① نماز وہ فریضہ ہے جو ایمان و شرک اور اسلام و کفر کے درمیان حد فاصل ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (سورۃ الروم: ۳۱)

اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ما بین الکفر و الاسلام الا ترک الصلوٰۃ

کہ اسلام اور کفر کے درمیان بس نماز ہی کا فاصلہ ہے۔

یعنی اگر نماز ہے تو اسلام ہے اور اگر نماز نہیں ہے تو کفر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ (عقاب الاعمال از شیخ صدوقؒ)

نماز انبیاء و اوصیاء کی آخری وصیّت ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے بھی آخری وصیّت یہی فرمائی تھی: الصلوٰۃ الصلوٰۃ الصلوٰۃ (تحف العقول)

نماز کی اہمیت و افادیت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ حقیقی شفعاء یعنی سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام نے وضاحت فرمائی ہے کہ تارکِ نماز کو ان کی شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔

حضرت امام جعفر صادق، و حضرت امام موسیٰ کاظم علیہما السلام فرماتے ہیں:

لا ینال شفاعتنا من استخف بصلوته (الکافی)

"جو شخص اپنی نماز کو حقیر سمجھ کر (نہیں پڑھے گا) وہ ہماری شفاعت کو حاصل نہیں کر سکے گا"۔

(۲) اور جہاں تک زکوٰۃ کی اہمیت کا تعلق ہے تو اس کے ثبوت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ خداوند علیم و حکیم نے پچاس کے لگ بھگ مقامات پر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور جہاں بھی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے وہیں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ لہٰذا وہ نماز جس کی قبولیت پر تمام اعمال کی قبولیت کا دارومدار ہے خود اس (نماز) کی قبولیت کا انحصار زکوٰۃ پر ہے۔ چنانچہ:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

ان الله قرن الزكوة بالصلوة قال اقيموا الصلوة و آتوا الزكاة فمن اقام الصلوة و لم يوت الزكاة فلم يقم الصلوة (الکافی)

یعنی "خداوند عالم نے نماز اور زکوۃ کا اکٹھا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ نماز پڑھو اور زکوۃ ادا کرو۔ پس جو شخص نماز تو پڑھتا

ہے مگر زکوۃ ادا نہیں کرتا تو گویا اس نے نماز بھی نہیں پڑھی ہے"۔
نیز قرآن وحدیث تارک زکوٰۃ کی مذمت سے چھلک رہے ہیں۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لا فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ (سورۃ التوبۃ: ۳۴ و ۳۵)

"جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے رہتے ہیں اور اسے راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خبر دے دو۔ جس دن سونے اور چاندی کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں پر داغ دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ آج اس کا ذائقہ چکھو جو تم جمع کرتے تھے"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

من منع قیراطا من الزکوۃ فلیمت یھودیا او نصرانیا

"جو شخص بمقدار ایک قیراط (جو کے بارہ دانوں کے برابر چاندی) ادا نہ کرے وہ خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی، یعنی اس کی موت اسلام پر نہیں ہے"۔ (الکافی وعقاب الاعمال)

۳) اور جہاں تک روزہ کا تعلق ہے تو اس کی عظمت وجلالت کو سمجھنے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ یہ روزہ نماز وزکوۃ کی طرح ہر شریعت میں ہمیشہ فرض رہا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (سورۃ البقرۃ:۱۸۳)

"اے ایمان والو! روزہ تم پر اسی طرح فرض قرار دیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے والے لوگوں پر فرض تھا"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

بنی الاسلام علیٰ خمسۃ اشیاء علی الصلوۃ و الزکاۃ و الحج و الصوم و الولایۃ

"اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر رکھی گئی ہے۔ یعنی نماز، زکوۃ، روزہ حج اور ولایت اہل بیتؑ"۔(اصول کافی)

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

الصوم جُنّۃ من النار

"روزہ جہنم سے بچنے کی ڈھال ہے"۔(مُستدرک الوسائل)

الغرض عمداً روزہ نہ رکھنا حرام اور وہ گناہِ کبیرہ ہے کہ جس کی سزا جہنم ہے۔

۴ اور جہاں تک حج کا تعلّق ہے تو یہ اسلام کے ان بنیادی ارکان بلکہ ضروریاتِ اسلام میں سے ایک ہے جس کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج متصوّر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ (سورہ آلِ عمران:۹۷)

"صاحبانِ استطاعت پر حج بیت اللہ کرنا واجب ہے اور جو کفر کرے (یعنی شرائط وجوب حج کے ہوتے ہوئے بھی حج نہ کرے) تو اللہ تو پوری کائنات سے بے نیاز ہے" (اس کا کچھ

نہیں بگڑے گا مگر حج نہ کرنے والے کی اسلام کی کشتی ڈوب جائے گی)

اور حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

یا علی! من وجب علیہ الحج و سوف لیموتن علی غیر دینی

"یا علی! جس شخص پر حج واجب ہو اور وہ ٹال مٹول کرتا رہے کہ اس سال کروں گا، اگلے سال کروں گا۔ اگر اسے ایسی حالت میں موت آجائے تو وہ میرے دین اسلام پر نہیں مرے گا"۔

(من لا یحضرہ الفقیہ)

اور ایک حج ادا کرنے کا ثواب کتنا ہے؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر ایک کوٹھا سونے سے بھرا ہوا ہو جسے راہِ خدا میں خرچ کر دیا جائے تو اس کے ثواب سے ایک حج کرنے کا ثواب زیادہ ہے۔ (وسائل الشیعہ)

سچ ہے کہ "رحمتِ حق بہانہ می جوید بہا نمی جوید"

اللہ تعالیٰ کی اس کرم گستری اور بندہ نوازی پر جان قربان کرنے کو جی چاہتا ہے۔

⑮ پندرھواں گناہِ کبیرہ شراب خوری ہے...... شراب خانہ خراب پینا پلانا صرف حرام اور گناہِ کبیرہ ہی نہیں ہے بلکہ بہت سے گناہانِ کبیرہ کا پیش خیمہ بھی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ تمام گناہ ایک مکان میں بند ہیں اور اس کو تالا لگا ہوا ہے اور تالے کی چابی کا نام شراب ہے (وسائل الشیعہ) یعنی شراب پینے سے سب گناہوں کا دروازہ کھل جاتا ہے اور شراب خوار بڑی آسانی سے سب گناہوں کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک انسان کو عام حیوانوں سے عقل ہی کی وجہ سے امتیاز حاصل ہے، اور شراب براہِ راست انسانی عقل پر اثر انداز ہوتی ہے اور اسے متاثر کر کے ایک انسان کو حیوان بنا دیتی ہے۔

مُعتبر حدیث میں وارد ہے معصومؑ نے فرمایا کہ شراب ایک آدمی پیتا ہے اور خداوند قہار لعنت دس آدمیوں پر کرتا ہے۔ شراب بنانے والے پر، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، پینے والے پر اور پلانے والے پر دو دو مرتبہ۔

(کتاب الخصال شیخ صدوقؒ)

اسی وجہ سے اس خانہ خراب کا نام "اُمُّ الخبائث" رکھا گیا ہے۔ جس کے گناہِ کبیرہ ہونے اور اس کی حرمت پر سب اہل اسلام کا اتفاق ہے...... دعا ہے کہ خداوند عالم تمام اہل اسلام و ایمان کو اس گناہِ کبیرہ سے دامن بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ فانہ قریب مجیب......

(۱۶) سولھواں گناہِ کبیرہ غنا و سرود یعنی راگ ورنگ کرنا اور سننا اور آلاتِ غنا جیسے چنگ ورباب بجانا ہے...... غنا و سرود یعنی گانا بجانا اور اس کا سننا اس کا سیکھنا اور سکھانا اور اس کے ذریعہ سے روزی کمانا بالاتفاق حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ غنا کس مخصوص آواز کا نام ہے؟ ...... فقہاء اور اہل لغت میں قدرے اختلاف ہے۔ مگر مُحقّق علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایک فقیہ کا کام صرف حکم شرعی بیان کرنا ہے، مثلاً شراب حرام ہے، غنا حرام ہے، باقی رہی اس کے موضوع کی تشخیص کہ شراب کیا ہے؟ اور غنا کیا ہے؟ یہ فقیہ کا کام نہیں ہے، بلکہ یہ عرف خاص یعنی شرابیوں اور گانے بجانے والوں کا کام ہے۔ پس وہ جس مشروب کو شراب قرار دیں اور جس مخصوص آواز کو غنا قرار دیں اسے شراب اور غنا سمجھا جائے گا۔ اور اس کا ارتکاب حرام ہوگا۔ قرآن وسنت اس کی حرمت اور گناہ کبیرہ ہونے پر متفق ہیں۔ ارشادِ قدرت ہے:

"وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ" (سورۃ الحج: ۳۰)

"قولِ زُور سے اِجتناب کرو"۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ "قولِ زُور" کیا ہے؟ حقیقی مُفسّرین قرآن یعنی ائمہ اہل

بیت علیہم السلام کی روایاتِ مستفیضہ میں وارد ہے کہ اس سے مراد غنا وسرود ہے۔ (الکافی، معانی الاخبار، تفسیر قمی وتفسیر صافی وغیرہ)

نیز ارشادِ قدرت ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ (سورۃ لقمان: ۶)

"اور آدمیوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو لہوالحدیث کے خریدار ہیں، تاکہ بغیر علم لوگوں کو خدا کے راستہ سے بھٹکائیں"۔

اخبارِ مستفیضہ میں وارد ہے کہ "لہوالحدیث" سے مراد غنا وسرود ہے۔ (ایضاً)

① حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

بیت الغناء لا تؤمن فیه الفجیعة و لا تجاب فیه الدعوة و لا یدخله الملك

"جس گھر میں گانا گایا جائے وہ گھر ناگہانی مصیبت سے محفوظ نہیں ہوتا، اس میں دعا قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی اس میں کوئی رحمت کا فرشتہ داخل ہوتا ہے"۔ (الکافی)

② انہی حضرتؑ سے مروی ہے، فرمایا:

الغناء عش النفاق

"غناء وسرود منافقت کا آشیانہ ہے"۔ (وسائل الشیعہ)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

الغناء مما اوعد الله علیه النار

"غناء وسرود ان گناہوں میں سے ہے جن پر خدا نے جہنم کی

تہدید کی ہے"۔ (کافی وتفسیر صافی)

ایضاح: مذکورہ بالاحقائق سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ غنا آواز کی ایک مخصوص کیفیّت کا نام ہے۔ جس میں الفاظ کے مادہ کو کوئی دخل نہیں ہے کہ اچھے ہوں یا بُرے۔ لہٰذا غنا حرام ہے، خواہ غزل میں ہو یا اذان میں۔ دعا میں ہو یا قرآن میں، حمد ونعت کی محفل میں ہو یا قصیدہ ومرثیہ کی مجلس میں، بلکہ محقّق علماء کی تحقیق یہ ہے کہ اگر غنا کا ارتکاب عبادت واطاعت کے کاموں میں کیا جائے تو اس سے اس گناہ کی سنگینی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ (ملاحظہ ہو "المکاسب" شیخ انصاری، "ذخیرۃ العباد" آقائے مازندرانی، "وسیلۃ النجاۃ" سرکار آقائے اصفہانی، "قلائدالدرر" آقائے جزائری وغیرہ)

نیز واضح رہے کہ زنا کی طرح غناء کی حرمت بھی ذاتی ہے، جو قابل تخصیص نہیں ہے۔ وَاللّٰہُ الْعَاصِمُ

⑰ سترھواں گناہِ کبیرہ قطع رحمی کرنا ہے ...... قطع رحمی کرنا بالاتفاق گناہانِ کبیرہ میں سے ایک گناہِ کبیرہ ہے۔ جس کا ارتکاب کرنے والے پر خداوندعالم نے قرآن میں لعنت کی ہے۔

① ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (سورۃ الرعد: ۲۵)

"جو لوگ اللہ سے کیا ہوا پختہ عہد وپیمان توڑتے ہیں اور جس کے وصل کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو قطع کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کے لیے لعنت ہے اور بُرا گھر (جہنم) ہے"۔

② پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اخبرنی جبرئیل ان ریح الجنۃ توجد من مسیرۃ الف عام و ما یجدھا عاق ولا قاطع رحم ولا شیخ زان (بحار الانوار)

"مجھے جبرئیلؑ نے خبر دی ہے کہ جنت کی خوشبو ایک ہزار سال کے راستہ تک پہنچ جاتی ہے مگر تین قسم کے آدمی اس کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکیں گے: ① والدین کا عاق و نافرمان ② قطع رحمی کرنے والا اور ③ بڈھا زناکار"۔

نیز آنحضرتؐ نے قطع رحمی کو شرک کے بعد دوسرا بڑا گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ مروی ہے کہ: ایک شخص حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: "ای الاعمال ابغض الی اللہ؟" سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا: "الشرك باللہ!"۔ عرض کیا: پھر کیا؟ فرمایا: "قطیعۃ الرحم!" قطع رحمی کرنا۔ عرض کیا: پھر کیا؟ فرمایا: بُرے کام کا حکم دینا اور اچھے کام سے روکنا (اصول کافی)

بہر حال صلہ رحمی کرنا اور قطع رحمی کرنا عرفی بات ہے۔ اگرچہ عام لوگوں سے بھی اچھے تعلقات رکھنا اور بُرائی کے عوض اچھائی کرنا بڑی اچھی صفت ہے۔ مگر رشتہ داروں کے ساتھ ایسا کرنے کی شریعتِ مُقدّسہ میں زیادہ تاکید وارد ہوئی ہے خواہ نزدیک کے رشتہ دار ہوں یا دور کے۔ وہ قطع رحمی کریں تو تم صلہ رحمی کرو۔ وہ محروم کریں تو تم عطا کرو۔ اور وہ تمھاری توہین کریں تو پھر بھی تم ان کا احترام کرو۔ وہ تمھارے دکھ سکھ میں شامل نہ ہوں مگر تم شامل ہو، وہ سلام کلام نہ کریں تو بھی تم سلام و کلام کرو۔ ایسا کرنے سے عمر بڑھتی ہے، رزق کشادہ ہوتا ہے، موت اچھی واقع ہوتی ہے بروز قیامت حساب و کتاب میں آسانی ہوتی ہے اور آخرکار جنت کی جاگیر حاصل ہوتی ہے۔ (الاثنا عشریہ فی الاحادیث العددیہ)

الغرض ؎

بخش دو گر بُرا کرے کوئی
نہ کہو گر بُرا کہے کوئی

⑱ اٹھارھواں گناہِ کبیرہ عہد شکنی کرنا یعنی وعدہ خلافی کرنا ہے...... وعدہ کی وفا بالاتفاق واجب ہے۔ اور وعدہ خلافی کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

① ارشادِ قدرت ہے:
وَاَوۡفُوۡا بِعَہۡدِ اللّٰہِ اِذَا عٰہَدۡتُّمۡ (سورۃ النحل:۹۱)
"اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو جب عہد کرو"۔

② ایک اور مقام پر فرماتا ہے:
وَ اَوۡفُوۡا بِالۡعَہۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَہۡدَ کَانَ مَسۡئُوۡلًا (سورۃ الاسراء:۳۴)
"عہد پورا کرو کیونکہ قیامت کے دن عہد کے بارے میں باز پُرس کی جائے گی"۔

حدیث میں وارد ہے کہ آدمی اس وقت تک آزاد ہوتا ہے جب تک وہ وعدہ نہیں کرتا، اور جب وعدہ کر لیتا ہے تو اس کی آزادی ختم ہو جاتی ہے اور غلامی کا طوق اس کے گلے میں پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا بڑے غور و فکر کے بعد کسی سے کوئی وعدہ کرنا چاہیے اور جب کر لیا جائے تو پھر وعدہ کی وفا بہرحال واجب ہے اور وعدہ خلافی کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

⑲ انیسواں گناہِ کبیرہ خدا و رسول اور ائمہ ہدیٰ پر افترا پردازی کرنا، بلکہ مُطلق جھوٹ بولنا ہے...... جھوٹ بولنا وہ گناہِ کبیرہ ہے جس کے ارتکاب کرنے والے پر خدا لعنت بھیجتا ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:
لَعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ (سورۃ آلِ عمران:۶۱)

"جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے"۔
ایک اور جگہ فرماتا ہے:
اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ج
(سورۃ النحل:۱۰۵)
"جھوٹی افترا پردازی وہی کرتے ہیں جو بے ایمان ہوتے ہیں"۔
اس سے بڑھ کر جھوٹ کی مذمت کیا ہوگی کہ خدا نے جھوٹے آدمی کو بے ایمان قرار دیا ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ: "تمام گناہ ایک مکان میں بند ہیں اور اسے تالا لگا ہوا ہے۔ اور اس تالے کی کنجی کا نام شراب ہے جس سے تمام گناہوں کا دروازہ کھل جاتا ہے"۔ فرمایا: "والکذب شر من ذالك"۔ "اور جھوٹ بولنا شراب سے بھی بدتر ہے"۔ (وسائل الشیعہ والمستدرک)
یہ تو عام جھوٹ بولنے کی بات ہے اور اگر یہی جھوٹ خدا پر، رسولِ خداؐ پر، اور ائمہ ہدیٰؑ پر بولا جائے اور ان ذواتِ مقدّسہ پر افترا پردازی کی جائے جس طرح عام غیر ذمہ دار اہل منبر و روضہ خوان کرتے ہیں تو پھر اس گناہ کی سنگینی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ باتفاق فقہاء اگر روزے کی حالت میں اس جرم کا ارتکاب کیا جائے تو اس سے روزہ باطل ہو جاتا ہے اور قضا اور کفارہ دونوں واجب و لازم ہو جاتے ہیں۔ (تمام توضیحات المسائل)
⑳ بیسواں گناہِ کبیرہ مُردار، خون، خنزیر کا گوشت، اور جس حیوان پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو اس کا گوشت کھانا ہے...... ان چیزوں کے کھانے کے حرام اور گناہِ کبیرہ ہونے پر اہل اسلام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔
چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:
حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ

لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (سورۃ المائدۃ: ۳)

"مُردار، خون، اور خنزیر کا گوشت اور جس حیوان پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اس کا کھانا تمھارے اوپر حرام قرار دیا گیا ہے"۔

ان چیزوں کے کھانے میں دنیوی اور اخروی طور پر کیا نقصانات ہیں جن کی وجہ سے ان چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے؟۔ یہ الگ موضوع ہے۔ جس پر فی الحال یہاں تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں۔ بہرکیف انؔ اشیاء کی حرمت اور ان کے کھانے کے گناہِ کبیرہ ہونے میں اہل اسلام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۲۱) اکیسواں گناہِ کبیرہ حرام خوری یعنی حرام طریقہ سے کمائی کر کے کھانا، جیسے بول و براز، مُردار اور شراب بیچ کر روزی کمانا اور کھانا، یا رشوت ستانی، زنا کاری، گلوکاری، دھوکا دہی اور شطرنج کھیل کر روزی کمانا اور پھر کھانا حرام بھی ہے اور گناہِ کبیرہ بھی...... اور یہ بات عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے۔ اور اس کسب و اکتساب کی حرمت میں چونکہ اہل اسلام و ایمان میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لہٰذا اختصار کے پیشِ نظر اس موضوع پر قلم فرسائی کرنے سے احتراز کیا جا رہا ہے۔ الغرض اسلامی فقہ میں جس چیز کا نام مکاسبِ محرمہ ہے، ان ذرائع سے روزی کمانا اور کھانا بالاتفاق حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

(۲۲) بائیسواں گناہِ کبیرہ شطرنج یعنی جوا بازی ہے...... شطرنج یعنی جوا کھیلنا بالاتفاق حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

مُّنۡتَهُوۡنَ ﴿٩١﴾ (سورۃ المائدۃ:۹۰و۹۱)

"اے ایمان والو! بے شک شراب، جوا اور بت اور قمار کے تیر نجس ہیں اور شیطانی کام ہیں۔ تم ان سے رُک جاؤ، تاکہ فوز و فلاح پاؤ شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تمہارے درمیان بغض وعداوت ڈال دے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے باز رکھے۔ کیا تم باز آؤ گے؟"۔

الغرض جوئے کے جو آلات واقسام ہیں ان کے ساتھ بازی باندھ کر جوا کھیلنے اور ان آلات کی خرید وفروخت کرنے کی حرمت اور اس کے گناہِ کبیرہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ قرآن وحدیث اس کی مذمت اور حرمت کے بیان سے چھلک رہے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے شطرنج کی مذمت میں ایک طویل حدیث کے اندر فرمایا:

بیع الشطرنج حرام و اکل ثمنہ سحت و اتخاذھا کفر و اللعب بھا شرك...... و الخائض فیھا یدہ کالخائض یدہ فی لحم الخنزیر ...... و الناظر الیھا کالناظر الی فرج امہ (حدائق ناظرہ، مستطرف ابن ادریس و جامع بزنطی)

"شطرنج کی خرید وفروخت حرام ہے، اس کی قیمت کھانا حرام ہے اور شطرنج بنانا کفر ہے ...... شطرنج میں ہاتھ ڈالنے والا ایسا ہے جیسے خنزیر کے گوشت میں ہاتھ ڈالنے والا ...... اور شطرنج کی طرف نگاہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اپنی ماں کی شرم گاہ کی طرف نگاہ کرنے والا"۔ الخ

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے، فرمایا کہ: "جب اسیرانِ آلِ محمدؐ دربار یزید میں پہنچے تو یزید شطرنج کھیلنے میں مصروف تھا، جس کی وجہ سے ان کو کئی گھنٹے تک انتظار کرنا پڑا"...... فرمایا: "جو ہمارا شیعہ کہلاتا ہے اس پر واجب ہے کہ شطرنج کے قریب نہ جائے"۔ (سعادۃ الدارین بحوالہ کتب متعددہ)

اس واقعہ میں ان عزادارانِ حسینؑ کہلانے والوں کے لیے درسِ عبرت ہے جو عزاداری سیّدالشہداءؑ کے ساتھ ساتھ یہ شغل بھی فرماتے ہیں۔ "شرم ان کو مگر نہیں آتی"...... واللہ العاصم۔

۲۳ تیئیسواں گناہِ کبیرہ ناپ تول میں کمی کرنا ہے

...... ناپ تول میں توازن قائم کرنا بالاتفاق واجب ہے اور اس میں کمی کرنا حرام ہے۔ اور وہ گناہِ کبیرہ ہے جس کی وجہ سے بعض قومیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (سورۃ الانعام: ۱۵۲)

یعنی "ناپ تول پوری کرو انصاف کے ساتھ"۔

اس مسئلہ کی اہمیت کے پیشِ نظر خدائے علیم و حکیم نے ایک پوری سورۃ نازل فرمائی ہے، جس کا نام سورۂ "مطففین" ہے۔ اس میں ارشاد فرماتا ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ① الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ② وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ③ (سورۃ المطففین: ۱ تا ۳)

"لعنت ہے ڈنڈی مارنے والوں پر جو لوگوں سے ناپ تول کریں تو پورا پورا وصول کرتے ہیں اور جب خود ناپ یا تول کریں تو انھیں نقصان پہنچاتے ہیں"۔

بہرکیف ناپ تول میں کمی کرنا جسے ڈنڈی مارنا کہا جاتا ہے، بالاتفاق حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے اور اس کے ذریعہ سے کمائی ہوئی رقم کا استعمال بھی حرام ہے۔

(۲۴) چوبیسواں گناہ کبیرہ ظالموں کی ان کے ظلم میں مدد کرنا یا ان کا کوئی عہدہ قبول کرنا اور ان سے میل و محبّت کرنا ہے...... یہ تین عدد گناہانِ کبیرہ ہیں جن کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ یعنی ظالموں کی ان کے ظلم میں مدد کرنا اور حصول جاہ و جلال یا کسب مال و منال کی خاطر ان کا کوئی عہدہ قبول کرنا اور ان سے میل جول اور ان سے تعلّق رکھنا حرام اور گناہانِ کبیرہ ہیں۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (سورۃ ہود: ۱۱۳)

"ظالموں کی طرف میلان نہ کرو، ورنہ تمھیں جہنم کی آگ چھوئے گی"۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

هو الرجل یاتی السلطان فیحب بقائه الی ان یدخل یده فی کیسه فیعطیه (اصول کافی)

"جو ظالم بادشاہ کے پاس جائے اور اس سے سوال کرے اور اس کے جیب میں ہاتھ ڈال کر اسے کچھ دینے تک اس کی بقا چاہے تو یہ بھی ان لوگوں میں شامل ہے جنھیں خدائے تعالیٰ نے ظالموں کی طرف جھکاؤ کرنے کی وجہ سے جہنم کی تہدید کی ہے"۔

اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے، فرمایا:

من مشی الی ظالم فقد خرج من الاسلام

"جو شخص کسی ظالم کی طرف چل کر جائے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے"۔ (مجموعہ شیخ ورامؒ)

اسی بیان سے ظالموں کا عہدہ قبول کرنے کی حرمت بھی واضح ہو جاتی ہے کیونکہ ان کا عہدہ قبول کر کے ان کے لیے کام کرنے والا بھی ان کے کاموں میں شریک ہوتا ہے اور ان کی حکومت و سلطنت کے استحکام کا موجب ہوتا ہے جن

سب کو بروز قیامت واصل جہنم کیا جائے گا۔ (ایضاً فرمانِ رسولِ مقبولؐ)

ہاں البتہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر جبار و سرکش کے پاس کوئی ایسا مومن ہوتا ہے جس کی وجہ سے خداوند عالم اہل ایمان سے ظالم کے ظلم و جور کو روکتا ہے۔ جیسے حضرت امام موسٰی کاظم علیہ السلام نے جناب علی بن یقطین کو ہارون عباسی جیسے جبار کا وزیر مقرر کرایا تھا۔ بہرحال محقّق علماء و فقہاء نے ان روایات کے درمیان اس طرح جمع و توفیق فرمائی ہے کہ اس بات کے جواز یا عدم جواز کا تعلّق عہدہ قبول کرنے والے کی نیت پر ہے۔ پس اگر اس کی نیت صرف حب دنیا اور دنیا کا جاہ و جلال اور مال و منال ہے تو یہ حرام بھی ہے اور گناہِ کبیرہ بھی۔ اور اگر اس کی نیت صرف اور صرف نیکی کرنا کرانا، کمزور اہل ایمان کی ضروریات پوری کرنا اور انھیں ظالم کے ظلم و جور سے بچانا ہے تو پھر جائز ہے...... اور جہاں تک ظالموں سے میل و جول رکھنے اور ان سے تعلقاتِ مہر و محبت رکھنے کا تعلّق ہے تو مذکورہ بالا بیان سے اس کی حرمت اور گناہ کبیرہ ہونا کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ

انجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است

(۲۵) پچیسواں گناہِ کبیرہ تکبّر کرنا اور اپنی کبریائی و بڑائی کا دعویٰ کرنا ہے

.... یہ تمام صفات رذیلہ اور اخلاقِ قبیحہ میں سے بہت بری صفت ہے جس میں گرفتار شخص اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے بلند تر اور دوسروں کو کم تر جانتا ہے۔ حالانکہ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ سب لوگوں کو اپنے سے بہتر اور اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھا جائے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا کہ کائنات میں پہلا گنہگار کون تھا؟ اور پہلا گناہ کونسا تھا جو کائنات میں کیا گیا؟ فرمایا: پہلا گنہگار ابلیس لعین تھا اور پہلا گناہ تکبر تھا۔ (جواہر الاخلاق) جس کی وجہ سے خدا نے اس کی گردن میں لعنت کا طوق ڈالا تھا اور فرمایا تھا: "و ان علیك لعنتی الی یوم الدین"۔ "قیامت

قیامت تک تجھ پر میری لعنت ہے"۔

تکبّر عزازیل راخوار کرد　　　بزندانِ لعنت گرفتار کرد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لن یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ ذرۃ من الکبر

"جس شخص کے دل و دماغ میں ذرہ برابر بھی تکبّر ہوگا وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا"۔ (الکافی)

تکبّر کی مذمت میں کئی آیات اور بے شمار روایات وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً ارشادِ قدرت ہے:

يَطْبَعُ اللهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (سورۃ المومن:۵۳)

"اللہ تعالیٰ ہر جبار و سرکش کے دل و دماغ پر مہر لگا دیتا ہے"۔

نیز فرمایا:

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (سورۃ النحل:۲۳)

"خدا تکبّر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، بلکہ تواضع وفروتنی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

نیز ارشاد فرماتا ہے:

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ج فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (سورۃ حم مومن:۷۶)

"اے متکبّرو! جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اس میں رہو بے شک تکبّر کرنے والوں کی جگہ بہت بری ہے"۔

ایضاح:

مگر واضح رہے کہ اچھا لباس پہننے یا اچھی غذا کھانے یا اچھے مکان میں رہائش

رکھنے یا اچھی سواری پر سوار ہونے کا نام تکبر نہیں ہے۔ اگر رازقِ مُطلق وسعتِ رزق عطا فرمائے تو ان چیزوں میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے، بلکہ تکبّر نام ہے دو چیزوں کا۔ ① ایک خلق خدا کو حقیر و ذلیل جاننا اور اپنے آپ کو عظیم و جلیل سمجھنا۔ ② دوسرا اللہ تعالیٰ کی عبادت واِطاعت سے کنی کترانا......

ظفر بہادر نے کیا خوب کہا ہے:

نہ تھی عیب کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

㉖ چھبیسواں گناہِ کبیرہ اسراف وتبذیر کرنا ہے...... اسراف وتبذیر کا ترجمہ عموماً فضول خرچی کیا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں میں ایک باریک سا فرق ہے۔ اسراف وہاں صادق آتا ہے جہاں پیسہ خرچ کرنا جائز ہو جیسے کھانا پینا اور پہننا وغیرہ مگر ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے۔ چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (سورۃ الاعراف:۳۱)

"کھاؤ پیو مگر اسراف (فضول خرچی) نہ کرو۔ کیونکہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"۔

اور تبذیر اس جگہ پیسہ خرچ کرنے کا نام ہے جہاں پیسہ خرچ ہو اور صحت کو ضرر پہنچے خواہ فوراً پہنچے جیسے زہر یا تدریجاً پہنچے جیسے حقہ اور سگریٹ نوشی وغیرہ وغیرہ (الفصول المہمہ فی اُصولِ الائمہ شیخ حر عاملی)

ارشادِ قدرت ہے:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ (سورۃ الاسراء:۲۶ و ۲۷)

"تبذیر نہ کرو، کیونکہ تبذیر کرنے والے شیطان کے بھائی بند

ہیں، اور شیطان خدا کا منکر ہے"۔

بہر کیف خداوند عالم نے مسرفین کو جہنم کی تہدید کی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

وَ اَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ (سورۃ حمٓ مومن: ۴۳)

"اِسراف کرنے والے جہنمی ہیں"۔

اور "مبذرین" کو "اِخوان الشیاطین" قرار دیا ہے، یعنی شیطان کے بھائی۔ لہٰذا یہ دونوں حرام ہیں اور گناہِ کبیرہ۔ البتہ میانہ روی شرعاً، قانوناً رواجاً ممدوح ہے۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ (سورۃ الفرقان: ۶۷)

"(عقلمند) اہل ایمان وہ ہیں جو جب کچھ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ میانہ روی سے کام لیتے ہیں"۔

حدیث میں وارد ہے: "ما افتقر من اقتصد"۔ "جو لوگ میانہ روی سے کام لیتے ہیں وہ کبھی فقیر و نادار نہیں ہوتے"۔ (وسائل)

قصد در فقر و غنا از کف مدہ
عدل در قہر و رضا از کف مدہ

جبکہ پورے اسلام اور پورے علم الاخلاق کا دارومدار ہی حد وسط و اعتدال اور میانہ روی پر ہے۔ افراط بھی غلط ہے اور تفریط بھی غلط۔ حد وسط ہی کا نام عدالت اور صراطِ مستقیم ہے۔ کما لایخفیٰ!

۲۷، ۲۸ ستائیسواں اور اٹھائیسواں گناہ کبیرہ مومن کی غیبت (گلہ گوئی) اور توہین کرنا اور اس پر بہتان باندھنا ہے...... یعنی کسی مومن کی عدم موجودگی

میں اس کا وہ خِلقی یا خُلقی، حسبی یا نسبی، قولی یا فعلی، دینی یا دنیوی نقص وعیب لوگوں میں بیان کرنا جو فی الواقع اس میں موجود ہو مگر وہ اسے سنے تو بُرا منائے تو اسے غیبت یعنی گلہ گوئی کہا جاتا ہے اور اگر مومن کے بارے میں وہ بات پس پشت (یا اس کے سامنے) بیان کی جائے جو اس میں پائی ہی نہ جاتی ہو تو اسے بہتان کہا جاتا ہے جو غیبت سے بھی بدتر ہے مگر دونوں کام حرام اور گناہِ کبیرہ ہیں۔ جن پر خلاق کائنات نے جہنم کی وعید وتہدید فرمائی ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (سورۃ النور:۱۹)

"جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان کی برائیاں نشر کی جائیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص ایک بندہ مومن کے بارے میں وہ بات بیان کرے جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو اور اپنے کانوں سے سنی ہو مگر وہ بات مومن کی عزت کو بٹا لگاتی ہو تو وہ اسی آیت کا مصداق سمجھا جائے گا۔ (اصول کافی)

ارشادِ قدرت ہے:

وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ (سورۃ الحجرات:۱۲)

"تم میں بعض لوگ دوسرے بعض کی غیبت نہ کریں۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ یقیناً تم اس کو ناپسند کرو گے"۔

مطلب یہ کہ پھر تم مومن بھائی کا گلہ کر کے اس کا گوشت کیوں کھاتے ہو؟

① پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے، فرمایا:

الغیبۃ اشد من الزنا (مکاسب شیخ انصاریؒ)

"غیبَت اور گلہ گوئی زنا کاری سے بھی زیادہ سخت جرم ہے"۔

② نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے، فرمایا:

کذب من زعم انہ ولد من حلال و ھو یاکل لحوم الناس بالغیبۃ فاجتنب الغیبۃ فانھا ادام کلاب النار

"وہ شخص جھوٹ بولتا ہے کہ وہ حلال زادہ ہے جبکہ وہ غیبَت کر کے لوگوں کا گوشت کھاتا ہے۔ (پھر فرمایا:) غیبَت سے اجتناب کرو کہ یہ جہنم کے کتوں کی غذا ہے"۔ (ایضاً)

③ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

ان الغیبۃ حرام علی کل مسلم و ان الغیبۃ تاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب (اصول کافی)

"ہر مُسلمان پر غیبَت کرنا حرام ہے اور یہ غیبَت نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے"۔

ظاہر ہے کہ بہتان تراشی مومن کی توہین کرنے میں گلہ گوئی کے ساتھ برابر کی شریک ہے اور اس میں جھوٹ اور افترا کی بھی آمیزش ہے...... لہٰذا مومن پر الزام سازی اور بہتان تراشی مومن کی غیبَت سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے کہ جب تک بندہ معاف نہیں کرے گا تب تک خدا بھی معاف نہیں کرے گا۔

㉙ انتیسواں گناہِ کبیرہ ہجو کر کے یا گالی دے کے یا مذاق اڑا کے یا کسی اور طریقہ سے مومن کی توہین و تذلیل کرنا ہے...... اسلامیات پر معمولی نگاہ رکھنے والوں پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ اسلام میں مومن کا مقام اور

اس کی شان بہت بلند ہے۔ حتی کہ کعبۃ اللہ سے بھی بالاتر ہے۔ "اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" (سورۃ البقرۃ:۲۵۷) اہل ایمان کا سرپرست خداوند عالم ہے۔ نیز اس کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ المنافقون:۸)

"عزت تو بس اللہ کے لیے ہے، اس کے رسول کے لیے ہے، اور مومنین کے لیے ہے لیکن منافقین لوگ یہ حقیقت نہیں جانتے"۔

لہٰذا گالی دے کر یا ہجو کر کے یا اس کا مذاق اڑا کے کسی مومن کی توہین و تذلیل کرنا صرف حرام ہی نہیں ہے بلکہ گناہِ کبیرہ بھی ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ خدا فرماتا ہے:

من اهان لی ولیا فقد ارصد لمحاربتی وانا اسرع شیء لنصرة اولیائی (الکافی)

"جو شخص میرے کسی دوست کی توہین کرتا ہے وہ گویا مجھے لڑائی کا چیلنج کرتا ہے اور میں اپنے دوستوں کی مدد کرنے میں بہت جلدی کرتا ہوں"۔ (الکافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

من انّب مؤمنا انّبه الله فی الدنیا والآخرة (الکافی)

"جو شخص کسی مومن کی سرزنش کرے تو خدا دنیا و آخرت میں اس کی سرزنش کرے گا"۔ (الکافی)

ارشادِ قدرت ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا

فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ (سورۃ الاحزاب:۵۸)

"جو لوگ مومنین و مومنات کو بے جرم و بے خطا اذیت پہنچاتے ہیں تو وہ بڑے بہتان اور کھلے ہوئے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں"۔

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص کسی مومن کو اذیت پہنچائے اس نے گویا مجھے اذیت پہنچائی اور جو مجھے اذیت پہنچائے تو اس نے گویا خدا کو اذیت پہنچائی ہے اور جو خدا کو اذیت پہنچائے تو وہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن میں ملعون ہے اور دوسری روایت میں یوں وارد ہے کہ اس پر خدا، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ (مُستدرک الوسائل باب الحج)

۳۰ تیسواں گناہِ کبیرہ چغل خوری کر کے اہل اسلام و ایمان میں تفرقہ

ڈالنا ہے...... اِدھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی بات اِدھر پہنچا کر دو دوستوں میں جدائی ڈالنے کا نام چغل خوری ہے۔ چونکہ اسلام اتفاق و اتحاد کا داعی ہے، لہٰذا جو چیز اس مقصد میں رخنہ ڈالے اُسے حرام اور گناہِ کبیرہ قرار دیتا ہے۔

ارشاد قدرت ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ﴿۱﴾ (سورۃ الھمزۃ:۱)

"وائے ہو ہر اس شخص کے لیے جو طعن و تشنیع کرنے والا اور لوگوں کی برائیوں کو اچھالنے والا ہو"۔

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے، فرمایا: "تم میں سے خدا کے نزدیک بدترین شخص وہ ہے جو دوستوں میں جدائی ڈالتا ہے"۔

چغل خوری کئی صفاتِ رذیلہ کا مجموعہ ہے۔ اس میں دروغ گوئی بھی ہے اور غیبت بھی۔ مکر بھی ہے اور خیانت بھی، کینہ بھی ہے، اور حسد بھی، اور نفاق بھی ہے اور فساد بھی۔ اور یہ وہ صفاتِ رذیلہ ہیں کہ ان میں سے ایک بھی ایک آدمی کی ابدی ہلاکت

کے لیے کافی ہے، چہ جائے کہ جب سب اکٹھی ہو جائیں، اس لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چغل خور بہشت میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ وہ دوستوں میں جدائی ڈالتا ہے۔ (بحار الانوار)

اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "بدترین خلائق ہے وہ شخص جس کے فتنہ وشر سے لوگ پرہیز کریں"۔ (بحار الانوار)

(۳۱) اکتیسواں گناہِ کبیرہ فتنہ و فساد پھیلانا اور لوگوں کو آپس میں لڑانا ہے

......فتنہ و فساد پھیلانے کی حرمت اور گناہِ کبیرہ ہونے میں امت مُسلمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ قرآن مجید میں فتنہ پھیلانے کو قتل سے بھی سخت تر جرم قرار دیا گیا ہے۔ الفتنة اشد من القتل ...... الفتنة اکبر من القتل (سورة الاعراف)

حالانکہ قتل مومن گناہِ کبیرہ ہے جس کی سزا ابدی جہنم ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (سورة القصص: ۸۳)

"یہ آخرت والا گھر (جنت) ہم نے ان لوگوں کے لیے بنایا ہے جو زمین میں رہ کر کبھی تکبّر کرنے اور فساد پھیلانے کا ارادہ بھی نہیں کرتے اور انجام تو بہر حال اہل تقویٰ کا ہی بخیر ہے"۔

اس ارشادِ خداوندی سے مُستفاد ہوتا ہے کہ تکبّر کرنے والے اور فساد پھیلانے والے شخص کے لیے جنت میں کوئی گنجائش نہیں ہے مگر بدقسمتی سے تکبّر کا ٹھیکا مالداروں و سرمایہ داروں نے اور فتنہ و فساد پھیلانے کا ٹھیکا ملاؤں نے لے لیا ہے۔

بقول اقبال: ع

"دین ملا فی سبیل اللہ فساد"

لہٰذا یہ دونوں فریق جنت الحمقاء (پاگل خانہ) میں تو جا سکتے ہیں مگر جنت

الفردوس میں داخل نہیں ہو سکتے۔

فتنہ و فساد خواہ ملک وملت کی وجہ سے ہو یا زبان و بیان کی وجہ سے، رنگ ونسل کی وجہ سے ہو یا دین و مذہب کی وجہ سے بہر حال حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ (سورۃ الحجرات:۱۰)

"سب مسلمان بھائی بھائی ہیں، اگر ان میں کبھی شکر رنجی پیدا ہو جائے تو ان کے درمیان صلح وصفائی کرادو"۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ

(سورۃ المائدۃ:۹۱)

شیطان تمھیں لڑانا چاہتا ہے اور رحمٰن "فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ" کا حکم دے کر لڑنے والوں کو منانا چاہتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو باہم لڑانے والے شیطان کے نمائندے ہیں اور منانے والے اور صلح کرانے والے رحمٰن کے بندے ہیں۔ ع

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

لیکن "موسٰی بدیں خود و عیسٰی بدین خود"...... افسوس کہ ع

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوعِ انساں کو

الغرض فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے والے اور ملت اسلامیہ میں مختلف عنوانوں سے تفرقہ ڈالنے والے پلے باندھ لیں اور سمجھ لیں کہ: ؎

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا

یہ وہ پھل ہے جو جنت سے نکلواتا ہے آدمؑ کو

(۳۲) بتیسواں گناہِ کبیرہ ریا کاری کرنا ہے...... قرآن وسنت میں ریا کاری کو

شرک اور ریا کار کو مشرک قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (سورة البينة:۵)

"لوگوں کو حکم نہیں دیا گیا مگر یہ کہ خلوصِ نیت کے ساتھ (خالصاً لوجہ اللہ) اللہ کی عبادت کریں"۔

نیز ارشادِ قدرت ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (سورۃ الکہف:۱۱۰)

"جو شخص اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری و حضوری کی نیت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ نیک عمل بجالائے، اور اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے"۔

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اخوف ما اخاف علیکم الشرك الاصغر،

"سب سے زیادہ خوفناک چیز جس کے بارے میں مَیں تمھارے بارے میں ڈرتا ہوں وہ شرک اصغر ہے"۔

عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! شرک اصغر کیا ہے؟ ...... فرمایا: "الریاء"۔ وہ ریا کاری ہے...... پھر فرمایا: "جب قیامت کا دن ہوگا اور ریا کار (جنھوں نے لوگوں کو دکھانے اور ان کی مدح وثنا سننے کے لیے نیک عمل کیے ہوں گے) حاضر ہوں گے تو ارشادِ قدرت ہوگا: آج تم ان لوگوں سے اپنی جزا طلب کرو جن کو دکھانے کے لیے تم نے نیک عمل کیے تھے"۔ (بحار الانوار)

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان اللہ بعث محمدا لیخرج عبادہ من عبادة عبادہ الی عبادته

”خداوند عالم نے حضرت رسولِ خداﷺ کو اس لیے بھیجا کہ وہ اس کے بندوں کو اس کے بندوں کی عبادت سے نکال کر اس کی عبادت کی طرف لے جائیں“۔ (سفینۃ البحار)

بہرکیف یہ حقیقت ہے کہ اگر عمل میں خلوص نہیں ہے تو عبادت شرک ہے اور عابد مشرک ہے اور اس کی عبادت وہ جسم ہے جس میں روح نہیں ہے اور وہ پھول ہے کہ جس میں خوشبو نہیں ہے۔ ع

نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گل بے کار ہوتا ہے

(۳۳) تینتیسواں گناہِ کبیرہ زنا کاری اور لواطت کی دلالی کرنا ہے......

لواطت اور زنا کاری کی تباہ کاری اور کبیرہ گناہ ہونے پر قبل ازیں تبصرہ کیا جا چکا ہے، تو جو کم بخت مرد یا عورت بدمعاشی کا اڈا چلائے اور زنا کار مردوں عورتوں اور باہمی لواطت کرنے والوں کی دلالی کرے ان کو اکٹھا کرے اور یہ قبیح فعل کرائے اور دولت کمائے اس کی حرمت اور گناہِ کبیرہ ہونے میں اور ایسے شخص کی دنائت اور کمینگی اور بدمعاشی میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہے؟؟ ع

سزائے ایں چنیں دوناں بجز دوزخ کجا باشد

(۳۴) چونتیسواں گناہِ کبیرہ مُسلمانوں کو دھوکا دینا اور فریب کاری کرنا ہے

......پیغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں:

من غش اخاہ المسلم فلیس بمسلم

”جو مُسلمان کہلا کر مُسلمان کو دھوکا دے وہ مُسلمان نہیں ہے“۔

(بحار الانوار، و انوار نعمانیہ)

جو لوگ دودھ میں پانی ملا کر اصلی گھی میں ڈالڈا ملا کر، چائے کی پتی میں کیکر کی لُنگ ملا کر اور کھانڈ میں کھاد ملا کر دولت کماتے ہیں اور اپنی تجوریاں بھرتے ہیں ان کو

بانئ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی روشنی میں اپنے اسلام پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔
• بہر حال دھوکا دہی اور فریب کاری حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے اور بنصّ حدیث ایسا کرنے والا مُسلمان کہلانے کا روادار نہیں ہے...... الامان یا رحمٰن۔

۳۵ پینتیسواں گناہِ کبیرہ مساحقہ (چپٹی) ہے...... مساحقہ کا مطلب عورت کا عورت کے ساتھ بدفعلی کرنا ہے۔ یہ فعل بد باتفاق امت مُسلمہ حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اصحاب الرس جن کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا کہ خدا نے ان پر عذاب نازل کیا تھا، ان کی عورتیں یہی جرم شنیع کرتی تھیں (کتبِ اَربعہ)

حدیث میں وارد ہے کہ ایسی عورتوں پر خدا، اس کے فرشتے لعنت کرتے ہیں، بلکہ وہ پیدا ہونے والی مخلوق جو ہنوز باپوں کی صلبوں اور ماؤں کے رحموں میں ہے وہ بھی لعنت کرتی ہے۔ (مُستدرک الوسائل)

۳۶ چھتیسواں گناہِ کبیرہ مساجد میں اللہ کے بندوں کو اللہ کی عبادت سے روکنا ہے...... آدمی کو حق حاصل ہے کہ اپنے گھر یا اپنے ڈیرے پر آنے سے کسی آدمی کو روک دے، کیونکہ وہ اس کا ذاتی مکان ہے۔ مگر مساجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا (سورۃ البقرۃ:۱۱۴)

"اس بندہ سے بڑا ظالم کون ہے جو مساجد میں یعنی اللہ کے گھروں میں اللہ کے بندوں کو اللہ کا نام لینے (اس کی عبادت کرنے) سے روکتا ہے اور اس طرح انھیں خراب کرنے کی احمقانہ کوشش کرتا ہے"۔

اس ارشادِ خداوندی سے واضح ہوتا ہے کہ کسی مُسلمان کو اپنے طریقہ کے

مطابق اللہ کے گھر میں اللہ کی عبادت کرنے سے منع کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔یہ جو رسم بن چکی ہے کہ مساجد پر لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ فلاں فرقہ کی مسجد ہے، اور یہ مسجد فلاں مکتب فکر سے تعلّق رکھنے والوں کی ہے، مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسرے فرقہ والے اس میں عبادت خدا نہیں کر سکتے، یہ غیر اسلامی رسم ہے۔یہ اللہ کا گھر ہے جو سب کا خالق و مالک ہے، یہ کسی کا ذاتی مکان نہیں ہے۔"وَالْوَقْفُ لَا يَمْلِكُهُ اِلَّا اللّٰهُ"۔

(۳۷) سینتیسواں گناہِ کبیرہ چوری کرنا یا ڈاکا زنی کرنا ہے...... چوری ایک ایسا معاشرتی جرم قبیح ہے جس کی تمام ملل و مذہب اور انسانی قوانین نے مذمت کی ہے اور کوئی نہ کوئی سزا بھی تجویز کی ہے۔چور ظلم و جور کے ساتھ بزدلی اور کمینگی کا ثبوت دیتے ہوئے آدمی کی جان اور ناموس کے بعد عزیز ترین متاع یعنی مال کو چھینتا ہے۔
چنانچہ اس جرم کی سنگینی کی وجہ سے خداوند عالم اس کی یہ سزا تجویز کرتا ہے کہ:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً م بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (سورۃ المائدۃ:۳۸)

"چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔یہ اللہ کی طرف سے ان کے کردار کی سزا ہے۔کیونکہ وہ عزیز و حکیم ہے"۔

اور ظاہر ہے کہ ڈاکا زنی چوری سے بھی زیادہ معاشرتی جرم شنیع ہے، جیسا کہ اس کی سزا سے واضح ہے، جو کہ سورۂ مائدہ رکوع نمبر ۹ میں مذکور ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (سورۃ المائدۃ:۳۳)

لہٰذا ان چیزوں کی حرمت اور گناہِ کبیرہ ہونے میں کوئی اِختلاف نہیں ہے ۔ارشادِ نبوی ہے کہ ایک مُسلمان کے مال کا وہی احترام ہے جو ایک مُسلمان کی جان کا ہے ۔(لئالی الاخبار)

(۳۸) اڑتیسواں گناہِ کبیرہ دین میں بدعت جاری کرنا ہے...... بدعت کیا ہے؟ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: "البدعة ما احدث من بعده"۔ "بدعت ہر وہ چیز ہے (عقیدہ ہو یا عبادت) جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایجاد کی جائے" ۔اس لیے وہ لازماً اللہ کے قرآن، پیغمبر اسلامؐ کے فرمان اور دین اسلام کے خلاف ہوتی ہے ۔ بہرحال بدعت "ادخال مالیس من الدین فی الدین" کا نام ہے جو بالاتفاق حرام اور گناہِ کبیرہ ہے ۔ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار" ۔ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے ۔ (اصول کافی)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے، فرمایا:

"من احدث فی الاسلام او آویٰ محدثا فعلیه لعنة الله و الملائکة و الناس اجمعین"

"جو شخص دین میں کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے اس پر خدا اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے" ۔

(کتاب لب اللباب فاضل راوندی)

وفیه کفایة لمن له ادنیٰ درایة

(۳۹) انتالیسواں گناہِ کبیرہ حق و حقیقت کا چھپانا، اور اس کا اظہار نہ کرنا ہے......حق و حقیقت کا چھپانا اور اس کا اظہار نہ کرنا وہ گناہِ کبیرہ ہے جس کے مرتکب پر خدا کے قہار لعنت بھیجتا ہے ۔ چنانچہ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡتُمُوۡنَ مَآ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَيِّنٰتِ وَالۡهُدٰى مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الۡكِتٰبِۙ اُولٰٓـئِكَ يَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَۙ‏ ﴿۱۵۹﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۵۹)

"جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو کھلی دلیلیں اور ہدایت ہم نازل کر چکے، بعد اس کے کہ ہم نے کل آدمیوں کے لیے کتاب میں اس کو کھول کر بیان کر دیا ہے، یقیناً ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں"۔

اور پیغمبر اسلام ﷺ نے حق چھپانے والے، اس پر پردہ ڈالنے والے اور باطل پرست لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے والے ملاؤں پر لعنت کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اذا ظهرت البدع فی امتی فعلی العالم ان يظهر علمه و من لم يفعل فعليه لعنت الله

"جب میری امت میں بدعات و منکرات ظاہر ہو جائیں تو عالم کا فرض ہے کہ وہ اپنے علم کا اظہار کرے (لوگوں کو اصل حقائق سے آگاہ کرے) اور جو ایسا نہیں کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہوگی"۔ (اصول کافی)

اس میں ان لوگوں کے لیے جو مخلوق کو خوش کرنے کی خاطر اپنے خالق و مالک کو ناراض کرتے ہیں لمحہ فکریہ ہے۔

۴۰ چالیسواں گناہ کبیرہ کفار و مشرکین اور فرقِ باطلہ کی رسم و رواج کی پیروی کرنا ہے...... ایک مُسلمان کو خدا اور رسولؐ اور اولوالأمر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے:

يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (سورۃ النساء: ۵۹)

یا پھر پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ الاحزاب: ۲۱)

"رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت و کردار میں تمہارے لیے بہترین نمونۂ عمل موجود ہے"۔

ہمارا خدا و رسولؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کے قول و عمل سے تعلّق ہے۔ ہمیں کفار و مشرکین اور باطل نواز قوتوں کی رسوم و رواج سے کیا واسطہ؟ ؎

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں بن گئیں

پیغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں: "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"۔ "جو شخص اپنے آپ کو کسی قومِ کے خاص (عقیدہ و عمل میں) مشابہہ بنائے گا تو وہ اسی قوم کا فرد سمجھا جائے گا"۔ (بحارالانوار)

آج عالم اسلام کی زبوں حالی کی وجہ یہی ہے کہ عام مُسلمان نام اسلام کا لیتے ہیں اور کام غیر مُسلمانوں والا کرتے ہیں۔ یہ قول و فعل کا تضاد و اختلاف ہی مُسلمانوں کی ذلت و رسوائی اور نکبت و پسپائی کا واحد سبب ہے۔ ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مُسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

(۴۱) اکتالیسواں گناہِ کبیرہ ہجرت کے بعد بدویت اختیار کرنا ہے......

جب مُسلمان ایسے کافروں کے علاقے میں رہتے ہوں جہاں وہ اسلامی احکام پر عمل نہ کر سکیں یعنی نہ نماز پڑھ سکیں اور نہ ماہِ رمضان کا روزہ رکھ سکیں اور نہ دوسرے اِسلامی

احکام واوامر پر عمل کر سکیں تو پھر وہاں ٹھہرنا حرام ہوتا ہے اور وہاں سے دارالاسلام کی طرف ہجرت واجب ہوتی ہے، تاکہ اسلام کی حقیقت کو سمجھ سکیں اور پھر اسلامی اصول و ضوابط اور احکام واوامر کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ لہٰذا ہجرت کے بعد جن دینی امور کا سیکھنا ان پر واجب تھا وہ سیکھے بغیر اپنی سابقہ جگہ کی طرف پلٹ کر جانا "تعرب بعد الہجرت" کہلاتا ہے، جسے سرکار محمد وآلِ محمد علیہم السلام نے "التعرب بعد الهجرة و الشرك واحد"۔ "کہ ہجرت کے بعد پھر بدو بننا اور شرک ایک ہی چیز ہے"۔ (اصول کافی)

معصومؑ نے ہجرت کے بعد بدویت اور شرک دونوں کو ایک چیز قرار دیتے ہوئے اسے گناہِ کبیرہ قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن ممالک میں آدمی اسلامی احکام پر عمل نہ کر سکے وہاں رہنا حرام اور وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے۔

(۴۲) بیالیسواں گناہِ کبیرہ جو لعنت کا مستحق نہ ہو اس پر لعنت کرنا ہے...... درود وسلام کے مستحق پر درود وسلام بھیجنا اور لعنت کے مستحق پر لعنت بھیجنا دونوں نیک عمل ہیں اور خدا کو پسند ہیں اور خود اس کا عمل بھی یہی ہے کہ وہ کہیں درود بھیجتا ہے: (ان الله و ملائكته يصلون على النبي) اور کہیں لعنت بھیجتا ہے (اولئك يلعنهم الله...... الآية) تو جس طرح درود وسلام کے غیر مستحق پر درود وسلام بھیجنا غلط و حرام ہے اسی طرح جو لعنت کا مستحق نہ ہو اس پر لعنت کرنا بھی حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ کما ھو اوضح عن ان یخفی۔ لہٰذا کسی پر درود وسلام بھیجنے اور کسی پر لعنت کرنے سے پہلے اس کے مستحق کی معرفت اور پہچان لازم ہے۔ تاکہ آدمی کا دامن غلط کاری سے محفوظ رہے۔

(۴۳) تینتالیسواں گناہِ کبیرہ عورت کا اپنے شوہر کی نافرمانی کرنا اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا ہے...... جب تک شوہر کوئی خلافِ شرع حکم نہ دے تب تک بیوی پر شوہر کی اطاعت واجب ہے۔ اور اس کی نافرمانی کرنا اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ ان باتوں کی تفصیل

حلیۃ المتقین از علامہ مجلسی علیہ الرحمہ وغیرہ آدابِ اسلامی پر لکھی جانے والی کتابوں میں مذکور ہے۔

(۴۴) چوالیسواں گناہِ کبیرہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہ دینا ہے...... اربابِ علم وآگہی پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ امر بالمعروف (لوگوں کو نیکی کرنے کا حکم دینا) اور نہی عن المنکر (بُرے کام کرنے والوں کو بُرائی سے روکنا) بشرطہا وشروطہا واجب ہے اور اس واجب کا ترک کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ جس کی تفصیلات ہماری کتاب "قوانین الشریعہ" میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ واللہ الموفق

(۴۵) پینتالیسواں گناہِ کبیرہ مُسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے...... منجملہ گناہانِ کبیرہ کے ایک گناہِ کبیرہ مُسلمانوں کے عقائد حقہ کو خراب کر کے ان کو مشرک اور غالی بنانا، اور ان کے عمل صالح کو برباد کر کے ان کو فاسق وفاجر بنانا بھی ہے۔ جیسا کہ آج کل اکثر اہل منبر اور کچھ اہل محراب ایسا کر رہے ہیں اور لوگوں کو غالی اور علی الٰہی بنا رہے ہیں اور علی اللہ کے نعرے لگوا رہے ہیں۔ ع

زاغوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے نشیمن

خدا ایسے لوگوں کو ہدایت کرے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اگر کوئی گمراہ کرنے والا توبہ کرنا چاہے تو اس کی توبہ تب تک قبول نہیں ہوتی جب تک اس شخص کو زندہ کر کے ہدایت نہ کرے جسے گمراہ کیا ہے۔

(۴۶) چھیالیسواں گناہِ کبیرہ اہل اسلام واہل ایمان کے خلاف جنگ و جدال اور قتل وقتال کرنا ہے...... قبل ازیں دوسرے گناہِ کبیرہ کے ضمن میں قتل مسلم کے جرم کی سنگینی اور اس کے گناہِ کبیرہ ہونے کی تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا جا چکا ہے اور اگر اہل ایمان سے جنگ لڑی جائے تو یا وہ قتل ہو گا یا یہ؟ ہر دو صورت میں قاتل ومقتول جہنم میں جائیں گے۔ حدیث میں وارد ہے کہ: "سباب المسلم فسق و قتاله

کفر"۔ "مُسلمان کو گالی دینا باعث فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے"۔ (جامع السعادات) پس اس جرمِ شنیع سے دامن بچانا واجب ہے۔ لہٰذا جملہ اہل اسلام وایمان کا باہمی جنگ وجدال اور قتل وقتال سے اپنے دامن کو بچانا فرضِ عین ہے۔

(۴۷) سنتالیسواں گناہِ کبیرہ عورتوں کا پردہ نہ کرنا اور بے حجاب ہونا ہے

......اسلام عورت کی عصمت کے لیے تمام چوردروازوں کو بند کرتے ہوئے اسے حکم دیتا ہے کہ:

وَ قَـرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی

(سورۃ الاحزاب: ۳۳)

"اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور جاہلیت کے دور کی طرح باہر نہ نکلو"۔

عقلمند قصاب گوشت کا ایک پاؤ کسی ایک کتے کے سامنے کھلا اور ننگا نہیں رکھتا چہ جائے کہ ڈیڑھ دومن گوشت معاشرہ کے اوباش وبدمعاش طبقہ کے سامنے بے پردہ رکھ دیا جائے (جو کہ کتوں سے بھی بدتر ہیں) بہرحال باتفاق اہل اسلام عورت کے لیے پردہ کرنا واجب ہے اور بے پردگی حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ واللہ العاصم۔

(۴۸) اڑتالیسواں گناہِ کبیرہ مردوں کا داڑھی منڈوانا یا چار زیرو مشین پھروانا ہے......عام برادرانِ اہل سنت کے ہاں داڑھی رکھوانا سنت ہے مگر مذہب اہل بیت میں اس قدر داڑھی رکھوانا کہ دیکھنے والا اقرار کرے کہ چہرہ پر داڑھی ہے، واجب ہے۔ ہاں البتہ قبضہ بھر اور وہ بھی مدوّر رکھنا سنت ہے۔ لہٰذا مذہب اہل بیتؑ میں (جو کہ اسلام کی حقیقی تعبیر وتفسیر کا دوسرا نام ہے) داڑھی منڈوانا یا چار زیرو مشین پھروانا (جس سے داڑھی مشابہ بہ حلق ہوجاتی ہے) حرام ہے، اور وہ گناہِ کبیرہ ہے جس کی وجہ سے ایک قوم مسخ ہوچکی ہے جو داڑھیاں منڈواتی تھی اور مونچھیں بڑھاتی تھی اور ان کو تاؤ (وٹ) دیتی تھی (یعنی ملھی مچھلی) (اصول کافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "لیس منا من حلق" ۔ "جو شخص داڑھی منڈوائے وہ ہم میں سے نہیں" ۔ (کتاب جعفریات مطبوعہ ایران) بنابریں اس گناہِ بےلذت سے اجتناب کرنا واجب ولازم ہے ۔ واللہ الموفق
یہ ہے جرائم الجوارح یا ان گناہانِ کبیرہ کی فہرست جن کا تعلق انسانی اعضاء و جوارح سے ہے، اور شرعی عدالت کے حصول اور اخلاق عالیہ کی تکمیل کی خاطر ان گناہوں کی آلودگی سے اپنے دامن کی حفاظت کرنا بہرحال واجب و متحتم ہے ۔

واللہ الھادی الیٰ سواء السبیل

توبۃ النصوح کا تذکرہ

جس شخص نے تمام یا بعض گناہانِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے وہ اب کیا کرے؟
اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ "توبۃ النصوح" کرے ۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا " (سورۃ التحریم: ۸)

" اِنَّ اللّٰهَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا " (سورۃ الزمر: ۵۳)

اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ توبۃ النصوح کرنے سے گناہ معاف کردے گا ۔ اب رہی یہ بات کہ توبۃ النصوح کیا ہے؟ اور کس طرح کی جاتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بارہ چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے ۔

(۱) خداوند عالم کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بلکہ اس کے عفوو بخشش کا امیدوار رہے
(۲) استغفار کرے یعنی خدا سے طلبِ مغفرت کرے اور گناہ پر اصرار نہ کرے
(۳) جو فرائض ترک کیے ہیں ان کا تدارک کرے ۔ مثلاً نماز نہیں پڑھی تو اس کی قضا کرے، روزہ نہیں رکھا تو اس کی قضا کرے اور اگر کفارہ واجب ہے تو وہ بھی ادا کرے ۔

۴ اگر مالی حقوق جیسے زکوٰۃ وخمس اور کفارات وغیرہ ادا نہیں کیے تو ان کو ادا کرے
۵ رد مظالم جو لوگوں کے حقوق پائمال کیے ہیں، چوری کر کے، ڈاکا ڈال کے اور رشوت لے کر یا غصب کر کے، وہ واپس کرے یا پھر معاف کرائے
۶ اگر کسی قابل قصاص جرم کا ارتکاب کیا ہے تو مقتول کے وارثوں کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرے، اب ان کی مرضی کہ قصاص لیں یا دیت لیں یا بالکل معاف کر دیں
۷ جس کو گمراہ کیا ہے اس کو راہِ راست کی ہدایت کرے
۸ جس کا حق پائمال کیا ہے، تہمت لگا کر یا غیبت کر کے اس سے معافی مانگے
۹ جو بدی کی ہے اب نیکی بجا لا کر اس کا تدارک کرے۔ مثلاً اگر پہلے لہو ولعب میں راتیں گزاری ہیں تو اب قرآن خوانی اور ذکر خدا میں راتیں گزارے
۱۰ اگر وہ گناہ حد شرعی کا موجب ہے تو حد کے اجراء کے لیے حاکم شرع کے سامنے پیش ہو
۱۱ جو گوشت و پوست حرام خوری سے اگایا ہے اسے اطاعت خدا میں پگھلائے
۱۲ سابقہ گناہ سے توبہ کرے اور آئندہ اس گناہ کے نہ کرنے کا خدا سے عزم بالجزم کرے۔

ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً

چھٹا باب

علم الاخلاق کے علماء وحکماء کے نزدیک ہر انسان کے اندر تین فطری قوتیں ہیں: ① قوتِ عقلیہ ② قوتِ غضبیہ، اور ③ قوتِ شہویہ۔ اگر یہ تینوں قوتیں حد اعتدال پر قائم رہیں تو قوتِ عقلیہ سے حکمت، قوتِ غضبیہ سے شجاعت، اور قوتِ شہویہ سے عفت پیدا ہوتی ہے۔ اور انہی تینوں صفاتِ جلیلہ وکاملہ کا نام علم الاخلاق میں عدالت ہے۔ یہی علم الاخلاق میں صراطِ مستقیم کہلاتی ہے۔ اور یہی تین قوتیں تمام اخلاقی فضائل ورذائل کی عمارت کی بنیاد ہیں اور سب صفاتِ جلیلہ ورذیلہ کا مصدر و ماخذ ہیں۔ یعنی اگر یہ قوتیں حد اعتدال سے ہٹ جائیں اور مائل بہ افراط وتفریط ہوجائیں تو ہر صفت جلیلہ کے مقابلہ میں دو دو صفاتِ رذیلہ پیدا ہوجاتی ہیں۔ مثلاً:

قوتِ عقلیہ جس کے اعتدال پر ہونے سے حکمت پیدا ہوتی ہے، اگر یہ مائل بافراط ہوجائے تو اس سے جزبزہ پیدا ہوتا ہے (یعنی حد اعتدال سے زیادہ غور وفکر کرنا) اور اگر مائل بہ تفریط ہوجائے تو اس سے بلہہ (بے وقوفی) پیدا ہوتی ہے۔

اور اگر قوتِ غضبیہ حد اعتدال پر ہو تو اس سے شجاعت جنم لیتی ہے اور اگر مائل بہ افراط ہوجائے تو اسے سے تہور (اجڑپن) پیدا ہوتا ہے اور اگر مائل بہ تفریط ہوجائے تو اس سے جبن (بزدلی) پیدا ہوتی ہے۔

اور اسی طرح اگر قوتِ شہویہ حد اعتدال پر ہو تو عفت پیدا ہوتی ہے لیکن اگر

مائل بہ افراط ہو جائے تو اس سے شرہ (کھانے پینے اور جماع کرنے کا شدید مرض) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اگر مائل بہ تفریط ہو جائے تو اس سے خمود (کھانے پینے اور جماع کرنے کی مکمل بے رغبتی) پیدا ہو جاتی ہے۔

ذمائم قلب اور ان کی دونوں قسموں کا بیان

انہی سابقہ تین قوتوں کے مائل بافراط یا مائل بہ تفریط ہونے سے جو صفاتِ رذیلہ پیدا ہوتے ہیں ان کو ذمائم قلب کہا جاتا ہے۔ پھر ان کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کو اصول وامہات مہلکات کہا جاتا ہے۔ اور دوسری قسم کو ان اصول کا فروع کہا جاتا ہے۔

اخلاقی اصول وامہات مہلکات کا بیان

اور یہ چار ہیں۔ ① حب دُنیا ② شح مطاع ③ خواہشات نفس کی اتباع و پیروی ④ اعجاب بالنفس۔ (خود پسندی اور خود بینی)

ان بنیادی اخلاقِ رذیلہ کی کچھ تشریح وتوضیح

ذیل میں ان امہات مہلکات کی کچھ تشریح کی جاتی ہے۔ ① محبّت دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ "حب الدنیا راس کل خطیئة"۔ جس قدر گناہ وعصیان ہیں وہ اسی محبتِ دُنیا سے پھوٹتے ہیں۔

یہ آئے دن کے جھگڑے و فساد، جنگ وجدال اور قتل وقتال، یہ عیاریاں و مکاریاں اور باہمی فریب کاریاں یہ ہر روز کی ہوس رانیاں اور حرص سامانیاں، یہ حقد و حسد کی تباہ کاریاں اور بخل و کنجوسی کی سیاہ کاریاں، سب اسی کمبخت دُنیا کے شجرہ ملعونہ کے خراب اور تلخ ثمرات ہیں۔

ایضاح: مگر مخفی نہ رہے کہ مذموم دنیا سے مراد وہ دنیا ہے کہ جس کے نہ کماتے وقت حلال وحرام کا خیال رکھا جائے اور نہ خرچ کرتے وقت جائز وناجائز کا لحاظ کیا جائے لیکن اگر کماتے وقت بھی حدودِ شریعت ملحوظ رہیں، اور خرچ کے وقت بھی خمس وزکوٰۃ وغیرہ مالی حقوق پوری طرح ادا کیے جائیں تو یہ دُنیا عین دین ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ: ہم لوگ دُنیا طلب کرتے ہیں اور پسند کرتے ہیں کہ حاصل ہو۔ آپؑ نے فرمایا: اس سے تمھارا مقصد کیا ہے؟ سائل نے کہا: اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت پر صرف کریں، صلہ رحمی کریں، راہِ خدا میں صدقہ دیں اور حج وعمرہ بجا لائیں۔ یہ سُن کر آپؑ نے فرمایا: لیس ھذا طلب الدنیا ھذا طلب الاخرہ۔ یہ دُنیا کی طلب نہیں، یہ تو آخرت کی طلب ہے۔ (جامع السعادات جلد ۲ صفحہ ۲۰)

۲ شحِ مطاع

حرص ولالچ جس میں بخل کی بھی آمیزش ہو اسے عربی زبان میں "شح" کہا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ وہ صفتِ رذیلہ ہے جس میں بخل اور حرص ہر دو کی رذالتیں یکجا جمع ہیں۔ بخل ان بنیادی اخلاقِ رذیلہ میں سے ہے، جو اور بہت سی بداخلاقیوں کی جڑ ہے۔ جیسے خیانت، بددیانتی، بے مروتی، بے رحمی، بدسلوکی اور دنائت وغیرہ اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح حرص وطمع، لالچ، تنگ نظری، کم ہمتی اور پست طبعی بھی اسی شجرہ خبیثہ کے برگ وبار ہیں۔ بخل درحقیقت ان قلبی بیماریوں میں سے ہے جو اعمال کی جزا وسزا پر یقین نہ رکھنے کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے بخیل اپنی کمائی دوسرے کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ بخل کا انجام جہنم کی آگ ہے۔ چنانچہ سورہ مدثر میں جنتیوں اور دوزخیوں کا سوال وجواب بطور مکالمہ درج ہے۔ جنتی لوگ دوزخیوں سے سوال کریں گے:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ

نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ (سورۃ المدثر: ۴۲ تا ۴۶)

"تم کو کس چیز نے دوزخ میں ڈالا؟ وہ جواب دیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور (کج) بحث کرنے والوں کے ساتھ (کج) بحث کیا کرتے تھے۔ اور روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے"۔

جب تک انسان اپنے حرص و آز کو روک کر اچھے کاموں میں روپیہ خرچ نہ کرے اس وقت تک کامرانی حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔

وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ (سورۃ التغابن: ۱۶)

"خرچ کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور جو شخص اپنے نفس کے حرص و بخل سے بچا یا گیا وہی لوگ کامیاب ہیں"۔

ایک اور مقام پر خدائے علیم نے اپنے نیک بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ:

وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورۃ الحشر: ۸)

"دوسروں کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود ان کو سخت ضرورت ہو"۔

اسی کا نام ایثار ہے۔ جو بڑی اچھی صفت ہے اور کامیابی کی ضامن ہے۔ بنا بریں ظاہر ہے کہ جو "شح" کی پیروی کرے گا۔ وہ ہلاک و برباد ہو جائے گا۔ حرص کو اصول کفر میں سے قرار دیا گیا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں کہ ایمان اور شح ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے دوسری

حدیث میں وارد ہے فرمایا دو بھیڑیے جو بھیڑوں کے جھنڈ میں چھوڑ دیئے جائیں وہ اتنا ان کو برباد نہیں کرتے جتنی مال وجاہ کی حرص انسان کے دین وایمان کو برباد کر دیتی ہے۔ (جامع السعادات)

۳ اتباع ہویٰ وہوس

خواہشات نفسانیہ کی اتباع دائمی ہلاکت کا باعث ہے۔ انسان کی خواہش اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔ اسلام ہر خواہش کی اتباع کی ممانعت نہیں کرتا اور نہ ہی ہر خواہش کو ترک کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ بلکہ صرف بری خواہش اور نفسانی ہوا وہوس کے ترک کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (سورۃ ص: ۲۶)

"خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو کہ وہ تم کو خدا کی راہ سے بھٹکا دے گی"۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے:

وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (سورۃ القصص:۵۰)

"اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہے جو خدائی رہنمائی کے بغیر اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتا ہے"۔

الغرض ہوائے نفسانی تمام برائیوں کی جڑ ہے جو شخص اپنے آپ کو اس سے بچائے گا وہی جنت الفردوس میں جائے گا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (سورۃ النازعات:۴۰)

"جو شخص خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہونے سے ڈرے اور اپنے نفس کو بری خواہش سے روکے تو بے شک جنت اس کا ٹھکانا ہے"۔

جناب امیر علیہ السّلام فرماتے ہیں:

ان اخوف ما اخاف علیکم اثنان اتباع الھوی وطول الامل ۔

"سب سے زیادہ خوفناک اور خطرناک چیزیں جن کے متعلق مجھے خطرہ ہے (کہ تم ان میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو جاؤ گے) دو ہی ہیں خواہش نفس کی پیروی اور لمبی امیدیں۔ خواہش نفس آدمی کو حق سے روکتی ہے اور لمبی امیدیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں"۔ (نہج البلاغہ)

④ عجب وخود پسندی

خود بینی وخود پسندی اپنی ذات سے غیر معمولی محبّت کا نتیجہ ہے۔ انسان اپنے اندر جب خوبیاں دیکھتا ہے تو وہ ان پر اتنا فریفتہ ہو جاتا ہے کہ اپنے سوا اس کو ہر شے حقیر اور پست نظر آتی ہے اور یہ اپنے کمالات اسے اپنے ذاتی اور خود پیدا کردہ معلوم ہوتے ہیں اس سے اس کے اندر خود رائی اور خود نمائی کی صفت رذیلہ پیدا ہو جاتی ہے جسے "عجب" کہا جاتا ہے، اور اسی سے کبر وغرور پیدا ہوتا ہے۔ ہمیشہ اس صفت بد کا ثمرہ ہلاکت ہوتا ہے۔

جنگ حنین میں مُسلمان اپنی کثرت تعداد پر اترانے لگے تھے پھر اس کا جو نتیجہ نکلا ہے وہ سب کے سامنے ہے اور جب عجب کا نشہ ہرن ہوا اور خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوئے۔ تب نصرتِ اِلٰہی ان کے شامل حال ہوئی۔

عجب درحقیقت فریب نفس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
جب اس کا پردہ چاک ہوتا ہے تو
اسکی حیثیت جلوہ سے
زیادہ کچھ نہیں
ہوتی

دوسری قسم یعنی فروعی اخلاقِ رذیلہ کا بیان

① غیظ و غضب

غیظ و غضب کی افراط و بے اعتدالی بہت بڑی برائی ہے کئی دفعہ آدمی بہت سے ظالمانہ، احمقانہ کام و اقدام کر بیٹھتا ہے اور بعد میں اکثر و بیشتر پشیمان ہوتا ہے۔ اس لیے شریعت اسلامیہ نے مُسلمان کو اپنے غیظ و غضب پر قابو رکھنے پر بڑا زور دیا ہے۔ خداوند عالم نے غصہ کو دبا لینے والے مُسلمان کی یہ تعریف کی ہے۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (سورۃ آلِ عمران: ۱۳۴)

"وہ غصہ کو دبا لیتے ہیں اور (مجرموں کو) معاف کر دیتے ہیں"۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (سورۃ حم شوریٰ: ۳۷)

"جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں"۔

یہ ٹھیک ہے کہ غصہ کی حالت میں معاف کرنا اور غصہ کو دبانا مُشکل ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے پہلوان وہ ہے جو اپنے غصہ پر قابو پا لے"۔

غصہ بہت ہی بری صفت ہے اور مزید بہت سی برائیوں کی جڑ ہے اس لئے اس سے اجتناب لازم ہے۔

② حقد و کینہ

دل میں کسی کی عداوت و دُشمنی کا دیرپا جذبہ رکھنا حقد و کینہ کہلاتا ہے۔ یہ بڑی

بری صفت ہے۔حدیث میں وارد ہے کہ مومن کبھی کینہ پرور نہیں ہو سکتا۔

(جامع السعادات)

اس وقت اس صفت رذیلہ کی برائی اور بھی بڑھ جاتی ہے جب یہ کینہ کسی مومن کے متعلّق رکھا جائے۔حدیث میں وارد ہے کہ:

"کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ کسی مومن سے تین دن سے زیادہ قطع تعلّق رکھے"۔

بعض احادیث میں یہ وارد ہے کہ:

"اگر یہ قطع تعلّقی تین دن سے آگے بڑھ جائے تو دونوں کے عمل قبول نہیں ہوتے"۔(اصول کافی)

اس لیے خداوند عالم نے اہل ایمان کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ حقد وکینہ سے اپنے سینہ کو پاک رہنے کی دعا کیا کرتے ہیں:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

(سورۃ حشر:۱۰)

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ایمان میں ہم سب سے سبقت کرنے والوں کو بخش دے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے متعلّق کینہ نہ رکھ۔اے ہمارے پروردگار! تو بڑی نرمی والا اور بڑا مہربان ہے"۔

الغرض دین دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے حقوق اللہ اور حقوق الناس۔ شرک کرنے سے حق اللہ ختم ہو جاتا ہے اور کینہ رکھنے سے حق العباد رخصت۔ حالانکہ ان دونوں حقوق سے عہدہ برآ ہونا ہی کلید جنت ہے۔

۴ حسد ورقابت

ایک شخص پر اگر خدا تعالیٰ کوئی احسان کرے مثلاً اس کو علم و فضل، مال و دولت، عزت وشہرت یا کوئی دنیوی یا دینی نعمت عطا فرمائے اور اس شخص کے دل میں ان کو دیکھ کر یہ خواہش پیدا ہو کہ خدا اسے بھی یہ نعمتیں دے اور وہ ان کے حاصل کرنے کی کوشش بھی کرے تو یہ کوئی بداخلاقی نہیں بلکہ یہ غبطہ (رشک) ہے جو دینی امور میں پسندیدہ ہے واسئلوا اللہ من فضلہ (نساء) "خدا سے اس کے فضل و کرم کا سوال کرو"۔ اور دنیوی امور میں بھی چنداں مذموم نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کی یہ خواہش ہو کہ یہ نعمتیں فلاں سے چھن جائیں اور مجھے مل جائیں تو یہ حسد ہے۔ جو انتہائی مذموم صفت ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ یہ خواہش بھی ہو کہ فلاں سے یہ نعمت سلب ہو جائے۔ گو اس کو حاصل نہ ہو تو یہ حسد کی بدترین قسم ہے بداخلاقیوں میں سے سب سے زیادہ خطرناک چیز حسد ہے۔ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جس سے شاید ہی کوئی دل خالی ہو۔ حسد کے اظہار سے تمام محاسن اخلاق کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں وارد ہے:

الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب

"حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے"۔ (اصول کافی)

اس لیے مسلمانوں کو حسد کرنے والوں کے شر سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے: مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔ "میں حسد کرنے والے کے حسد سے پناہ مانگتا ہوں جبکہ حسد کرے"۔

دراصل یہ مذموم جذبہ خدا کی قضاء وقدر اور اس کی تقسیم پر راضی نہ ہونے کی پیداوار ہے۔ ورنہ خدا کو عادل سمجھنے والے کے دل میں کبھی حسد کا شرارہ مشتعل نہیں ہو سکتا۔ یہ مذموم صفت سب سے زیادہ اہل علم کے طبقہ میں پائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک

روایت میں ہے کہ :

" حسد کے کل دس حصّے ہیں ۔ نو حصّے تو صرف اہل علم میں تقسیم ہوئے ہیں اور صرف ایک حصّہ باقی لوگوں میں تقسیم ہوا ہے" ۔

اس میں بھی شریک غالب اہل علم ہی ہیں (منہاج البرائۃ) لیکن حقیقی علماء میں ہرگز حسد نہیں ہوتا ۔ اسی لئے اہل تحقیق نے اسی حسد کو علماء حق (علماء آخرت) اور علماء سوء (علماء دُنیا) کے معلوم کرنے کا معیار و میزان قرار دیا ہے ۔ یعنی جن علماء میں حسد پایا جائے وہ علماء سوء میں سے ہیں اور جن کا دامن ان سے صاف ہو سمجھ لو کہ وہ علماء حق ہیں ۔

۴ تکبّر و غرور

انسان میں جب کوئی وصف یا کمال پایا جاتا ہے ۔ تو قدرتی طور پر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ باکمال ہے ۔ یہ اپنی عظمت کا تخیل کوئی بری چیز نہیں (بلکہ یہ ایک فطری امر ہے) لیکن جب یہ خیال ترقی کرتے کرتے اس حد تک پہنچ جائے کہ جن لوگوں میں یہ وصف نہ ہو یا کم ہو ان کو حقیر سمجھنا شروع کر دے تو اس کو تکبّر و غرور کہا جاتا ہے جو ایک بڑی مذموم صفت ہے ۔

اس عالم ہستی نما میں سب سے پہلے اس صفت رذیلہ کا اظہار شیطان نے کیا جس نے جناب آدم ابوالبشرؑ کے مقابلہ میں اپنے کو بہتر سمجھتے ہوئے کہا "انا خیر منه" ۔ "میں اس سے بہتر ہوں" ۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خدائے جبار نے اسے ملعون و مردود قرار دے کر اپنی بارگاہ سے ہمیشہ کے لیے نکال دیا اور اس طرح اس کی ہزاروں سال کی محنت و مشقت پر پانی پھر گیا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص بھی تکبّر کرے گا اس کا انجام شیطان سے مختلف نہیں ہوگا ۔ اسی لئے حدیث میں وارد ہے :

"جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبّر ہو گا وہ ہر گز جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا"۔ (اصول کافی وغیرہ)

تکبّر کے ثمراتِ قبیحہ شمار ہی نہیں ہو سکتے۔ مثلاً ایک متکبّر شخص عام لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا اور بات چیت کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے بلکہ اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے رہیں جب لوگوں سے ملے تو وہ پہلے اس کو جھک کر سلام کریں، چلنے میں سب سے آگے چلے، کسی بزم میں جائے تو صدر جلسہ بنے اور چلے تو اکڑ کر وغیرہ وغیرہ۔

یہ بد اخلاقی قریباً قریباً ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ ہاں البتہ علماء و امراء اس میں سب سے پیش پیش ہیں۔ یہ تکبّر ہی ہے جو انسان کو قبولِ حق سے باز رکھتا ہے۔ ہمیشہ پیغمبروںؑ اور دینی راہنماؤں کی دعوت کو اکثر انہی لوگوں نے ٹھکرایا ہے جو قومی سیاسی اور مذہبی یا کسی اور وجہ سے اپنے کو ان ہادیوں سے بڑا سمجھتے تھے۔ خدا کو نہ تکبّر پسند ہے اور نہ متکبّر۔ اس لیے وہ بار بار یہ اعلان کرتا ہے:

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (سورۃ النحل:۲۳)

"خدا تکبّر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (سورۃ النساء:۳۶)

"خدا مغرور اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا"۔

خدا نے اپنے خاص بندوں کی یہ علامت قرار دی ہے کہ وہ زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (سورۃ الفرقان:۳۶)

"خدائے رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی اور

فروتنی سے چلتے ہیں۔ اور جب جاہل لوگ ان سے (کوئی جہالت کی) بات کریں تو وہ سلام کرتے ہیں، اور علیحدہ ہو جاتے ہیں"۔

ایضاح

ہاں یہ واضح رہے کہ اچھا لباس زیب تن کرنا، اچھی خوراک کھانا اور اچھی سواری پر سوار ہونا تکبر نہیں ہے بلکہ یہ زیب وزینت اور ظاہری آرائش وزیبائش اور حسن وجمال پسندیدہ چیز ہے بلکہ دراصل تکبر یہ ہے کہ حق کو قبول نہ کیا جائے اور مخلوق خدا کو اپنے سے پست اور حقیر سمجھا جائے۔

۵ ریاونفاق

ریا کے معنی دکھاوا اور نمائش کے ہیں انسانی اعمال کی راستی وناراستی اور اچھائی و برائی کا دارومدار نیت پر ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ جو نیک کام ہو مگر وہ خالصاً لوجہ اللہ نہ کیا جائے۔ بلکہ لوگوں کے دکھاوے کے لئے کیا جائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ عمل کی ساری عمارت ہی بودی وکمزور ہو جاتی ہے بلکہ اس سے شرک خفی کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نماز تو پڑھتا ہے مگر غرض نہیں کہ حکم خدا کی تعمیل ہو بلکہ مقصد یہ ہے کہ لوگ اسے نماز گزار اور پرہیز گار کہیں۔ دوسرا زکوٰۃ وخمس ادا کرتا ہے۔ مگر تعمیل حکم مراد نہیں بلکہ مقصد یہ ہو کہ لوگ اسے سخی وجواد کہیں۔ تیسرا راہِ خدا میں بڑی بے جگری سے لڑتا ہے جہاد کرتا ہے۔ مگر مقصد یہ نہیں کہ خدا کے دین کا بول بالا ہو، بلکہ غرض یہ ہے کہ لوگ اسے شجاع وبہادر کہیں۔ تو یہ عبادت محض نبے کار ہے اور جسد بے روح ہے۔

اسی لیے روایت میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

سب سے پہلے قیامت کے دن اس شخص کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا جس

نے بظاہر شہادت حاصل کی، یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا، اور خدا اس پر اپنے احسانات جتا کر پوچھے گا: تم نے ان سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا کہ میں تیری راہ میں لڑا اور شہید ہوا۔ خدا کہے گا کہ جھوٹ کہتے ہو، تم صرف اس لیے لڑے کہ تم کو بہادر کہا جائے اس کے بعد اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر وہ شخص لایا جائے گا جس نے علم حاصل کیا لوگوں کو علم سکھایا اور قرآن پڑھا اس سے اس طرح سوال کیا جائے گا، اور وہ جواب میں کہے گا کہ: میں نے علم سیکھا علم سکھایا اور تیرے لیے قرآن پڑھا۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ کہتے ہو، تم نے علم اس لیے حاصل کیا کہ عالم کہے جاؤ۔ قرآن اس لیے پڑھا کہ قاری کہے جاؤ۔ پھر اسی طرح گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اس کے بعد ایک دولتمند شخص لایا جائے گا، اور اس سے بھی اسی طرح سوال کیا جائے گا، وہ کہے گا کہ: مال خرچ کرنے کے جو طریقے تجھ کو پسند تھے میں نے سب میں اپنا مال صرف کیا۔ ارشاد ہوگا: جھوٹ بکتے ہو، تم نے یہ سب کچھ صرف اس لیے کیا کہ لوگ تم کو فیاض کہیں، پھر اسی طرح اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (سیرۃ النبیؐ جامع الاخبار وغیرہ)

حدیث میں ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں شرک سے بے نیاز ہوں جو شخص ایسا عمل بجالائے جس میں کسی اور کو بھی میرا شریک قرار دے تو وہ اسی کے لیے ہے جسے میرا شریک کیا گیا ہے، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (انوار نعمانیہ وغیرہ)

اس طرح اسلام میں کفر کے بعد نفاق کا درجہ ہے۔

نفاق کیا ہے؟

دل میں کفر اور زبان پر ایمان! اس کا نتیجہ یہ ہے کہ منافق کے ایمان و عمل کی حقیقت ریا اور نمائش کے سوا اور کچھ نہیں رہ جاتی۔ وہ دل سے تو خدا کا منکر ہے لیکن

صرف خوف وخطر یا کسی اور دنیوی فائدہ کی خاطر بظاہر مذہبی اعمال بجا لاتا ہے اس لئے لازمی طور پر اس کے ان اعمال میں ریاکاری پائی جاتی ہے۔

ارشاد قدرت ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى لا كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ (سورۃ البقرۃ: ۲۶۴)

"اے ایمان والو اپنے صدقات وخیرات کو احسان جتا کر (اور سائل کو) اذیت پہنچا کر اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو محض لوگوں کو دکھاوے کے لیے مال خرچ کرتا ہے اور خدا اور یوم جزا پر یقین نہیں رکھتا"۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ج وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى لا يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (سورۃ النساء: ۱۴۲)

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا (سورۃ الکھف: ۱۱۰)

اس لیے منافق کا انجام بہت برا ہے۔ ارشاد قدرت ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ج وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ (سورۃ النساء: ۱۴۵)

⑥ اسراف و تبذیر

اسراف یہ ہے کہ آدمی مال خرچ تو وہاں کرے جہاں کرنا چاہیئے۔ مگر کرے ضرورت سے زیادہ۔ اور تبذیر یہ ہے کہ بے محل مال خرچ کیا جائے۔ ہر دو کے لئے جامع لفظ فضول خرچی ہے چونکہ عربوں میں فیاضی فضول خرچی کی حد تک پہنچ گئی تھی

اس لئے اسلام نے سختی سے فضول خرچی سے روکا ہے فضول خرچی کا چونکہ نتیجہ افلاس ہے اس لئے حدیث میں وارد ہے۔ ماافتقر من اقتصد جو میانہ روی سے کام لیتا ہے وہ کبھی فقیر و قلاش نہیں ہوتا (احیاء العلوم)

ارشاد قدرت ہے:

وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ (سورۃ بنی اسرائیل: ۲۶ و ۲۷)

"رشتہ دار مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو اور فضول خرچی مت کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکر گزار ہے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی جو لوگ شادی بیاہ اور خوشی و غم کی تقریبوں میں اس قسم کی فضول خرچیوں کے مرتکب ہوتے ہیں وہ قرآن کی اِصطلاح میں شیطان کے بھائی کہلائیں گے یہ تعلیم فیاضی بخل اور اسراف کے درمیان کا نام ہے۔ خدا اسی کا حکم دیتا ہے:

وَ لَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ (سورۃ بنی اسرائیل: ۲۹)

"اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑو کہ (گویا) گردن میں بندھا ہے اور نہ بالکل اس طرح پھیلاؤ کہ تہی دست ہو کر قابل ملامت حالت میں بیٹھ جاؤ"۔

اعتدال کی تعلیم اسلام کا خاص طرۂ امتیاز ہے۔ اس لیے اللہ نے مسلمانوں کا امتیازی وصف یہ قرار دیا ہے کہ:

وَ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَ لَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَ کَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ (سورۃ الفرقان:۶۷)

"جب خرچ کریں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہی بالکل تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کا یہ خرچ افراط وتفریط کے درمیان ہوتا ہے"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"کھاؤ پیو، مگر اسراف نہ کرو، بیشک خدا فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

۷ کفرانِ نعمت وناشکر گزاری

جس طرح منعم کی نعمت کا شکر ادا کرنا بہت بڑی اخلاقی نیکی ہے جس سے علاوہ اظہارِ شرافت کے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ (سورۃ ابراھیم:۷)

"اگر تم شکریہ ادا کروگے تو میں اور زیادہ نعمتوں سے نوازوں گا"۔

اور اس سے اخروی عذاب سے نجات ملتی ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے:

مَا یَفۡعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمۡ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ وَ اٰمَنۡتُمۡ (سورۃ النساء:۱۴۷)

"اگر تم شکر گزار وایمان دار بن جاؤ تو خدا کو کیا پڑی ہے کہ تمھیں سزا دے"۔

لیکن خیال رہے کہ شکریہ یہ نہیں ہے کہ صرف زبان سے دو چار رسمی لفظ ادا کردئیے جائیں، بلکہ دراصل شکریہ یہ ہے کہ منعم کی ہر عطاء کردہ نعمت کو اس کام میں صرف کیا جائے جو اس کی منشاء کے مطابق ہو۔ اس لیے شکر کی منزل بڑی مشکل ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے: "وقلیل من عبادی الشکور" میرے شکر گزار بندے بہت کم ہیں۔ اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ کفرانِ نعمت (ناشکری) کس قدر اخلاقی

جرم ہے۔ علاوہ اس کے کہ اس سے ناشکرے آدمی کی کمینگی ظاہر ہوتی ہے۔
اس میں چند نقصان ہیں۔
اول یہ کہ اس سے نعمت سلب ہو جاتی ہے خداوند عالم ایک ناشکری قوم کا ذکر کر کے فرماتا ہے:

فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ
(سورۃ النحل:۱۱۲)

"جب اس نے کفران نعمت کیا تو خدا نے اسے بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا"۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ
(سورۃ الرعد:۱۱)

یعنی "خدا کسی قوم کو کوئی نعمت دے کر واپس نہیں لیتا۔ جب تک وہ قوم کفران نعمت کر کے سلب کا سبب نہ بن جائے"۔
دوئم یہ کہ آدمی اس سے اخروی عذاب وعقاب کا سزاوار بن جاتا ہے۔ چنانچہ خالق فرماتا ہے:

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (سورۃ ابراھیم:۷)

"اگر تم کفران نعمت کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے"۔
مخفی نہ رہے کہ جس طرح منعم حقیقی کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے اسی طرح بندوں میں سے اپنے مجازی محسن کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

جو شخص بندوں میں سے اپنے محسن کا شکریہ ادا نہ کرے وہ یوں

سمجھے کہ اس نے اپنے خالق کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔

(المحجۃ البیضاء)

⑧ قساوت قلبی و سنگدلی

منجملہ ذمائم قلبی کے ایک قساوت قلب بھی ہے۔ یہ بہت بڑی بری صفت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس صفت کی موجودگی میں آدمی اپنے ابنائ نوع کی تکلیف و مصیبت سے متاثر نہیں ہوتا۔ حالانکہ انسانیت کا جوہر یہ ہے کہ آدمی اپنے بنی نوع انسان کے دکھ درد میں شریک ہو۔ اکثر صفاتِ مذمومہ جیسے ظلم و ستم کرنا، ایذا رسانی کرنا، مظلوم کی فریادرسی نہ کرنا اور فقراء و مساکین پر مہربانی نہ کرنا وغیرہ اسی بری صفت سے پیدا ہوتی ہے۔

جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

القلب القاسی بعید من رحمۃ اللہ

"سخت دل خدا کی رحمت سے دور ہے"۔ (لئالی الاخبار)

خداوند عالم ایک گروہ کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً

(سورۃ البقرۃ: ۷۴)

"پھر تمہارے دل سخت ہو گئے ہیں پس وہ پتھر کی مانند ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت"۔

بنابریں جب تک اس بری صفت سے دامن پاک نہ کیا جائے اس وقت تک انسانیت کا جوہر نہیں نکھر سکتا۔

⑨ جہالت و نادانی

جہل یعنی نفس انسانی کا علم سے خالی ہونا اگر جاہل کو اپنی جہالت کا اعتراف

ہوتو اسے جہل بسیط کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر اسے اپنی جہالت کا احساس ہی نہ ہو بلکہ وہ اپنے جہل کو علم خیال کرے تو یہ جہل مرکب ہے جو لاعلاج مرض ہے۔

بہر حال جہل کی مذمت کسی تشریح وتوضیح کی محتاج نہیں ہے اس سلسلہ میں یہی بات کافی ہے کہ جو جاہل ہیں وہ بھی یہ ہی کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ جہالت بری چیز ہے حقیقت یہ ہے کہ جاہل آدمی درحقیقت انسان ہی نہیں ہے کیونکہ انسان کو جو چیز دوسرے حیوانات سے ممتاز کرتی ہے وہ جوہر عقل ہے اور عقل کی زیب وزینت علم سے ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص باوجود عقل وخرد رکھنے کے علم حاصل نہیں کرتا تو وہ نہ صرف یہ کہ حیوان ہے بلکہ وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہے حدیث میں وارد ہے کہ چھ شخص چھ چیزوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ چھٹے نمبر پر وہ دیہاتی لوگ ہیں جو جہالت کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔ (جامع السعادات جلد ا صفحہ ۱۰۱)

اسی لئے تو جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں

فقم بعلم و لا تطلب له بدلاً
الناس موتی و اهل العلم احياء

"علم حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ اور اس کا کوئی بدل تلاش نہ کرو کیونکہ سب لوگ مردہ ہیں اگر زندہ ہیں تو صرف اہل علم"۔

(دیوانِ جناب امیرؑ)

⑩ عجلت وجلد بازی

عجلت بھی قلبی ذمائم میں سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جب کوئی کام کرنا چاہے تو اس کے نفع ونقصان، سود وزیاں اور آغاز وانجام پر غور کیے بغیر اقدام کر گزرے۔ ظاہر ہے کہ جو کام اس طرح بلا سوچے سمجھے کیا جائے گا۔ اس کا نتیجہ ندامت وپشیمانی کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ اسی لیے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

العجلة من الشیطان والتأنی من اللہ اوقال والتأنی من الرحمٰن
(جامع السعادات ج ا ص ۲۷۵)

اسی لیے شریعت مقدسہ میں عجلت پسندی وجلد بازی سے روکا گیا ہے۔ اس کی بجائے تانی "توقف" سکینہ اور وقار اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ع
که تعجیل کارِ شیاطین بود

⑪ جزع و بے صبری

دنیا میں غم و مسرت، رنج و راحت، صحت و مرض، فقر و غنا اور عسر و یسر توئم اور لازم و ملزوم ہیں جب تک انسان دنیا کی قید حیات سے آزاد نہیں ہو جاتا اس وقت تک تکلیف و مصیبت سے کلی رہائی نہیں پا سکتا۔ تو جس طرح غم و رنج کے مواقع پر صبر و شکیبائی کا اختیار کرنا انتہائی بلند اخلاقی ہے کہ انسان وقتی مصیبت و تکلیف سے گھبرائے نہیں اور نہ اضطراب و بے قراری کا مظاہرہ کرے اور بلند مقصد کے حاصل کرنے میں جس قدر مشکلات و مصائب پیش آئیں ان کو خاطر میں نہ لائے اور برائی کرنے والوں کی برائی کو نظر انداز کر دے اور بڑی پامردی و ثابت قدمی سے اپنے مقصد میں مشغول رہے کہ صبر کامیابی کی کنجی ہے۔ اس کے برعکس ایسے حالات میں آدمی مضطرب ہو جائے، گھبرا جائے، مخالفین کی طعن و تشنیع سے دل برداشتہ ہو کر پست ہمت ہو جائے اور برائی کا بدلہ برائی سے دینے پر تل جائے اور پائے ثبات میں لغزش واقع ہو جائے تو یہ انتہائی اخلاقی گراوٹ کی دلیل ہے۔ یہی ضبط نفس کا اصل موقع ہے جس سے اشخاص و اقوام میں سنجیدگی متانت اور کردار میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے کہ نفس پر اس قدر قابو ہو کہ مسرت و شادمانی کے نشہ میں فخر و غرور پیدا نہ ہو اور غم و تکلیف میں اداس و بددل نہ ہو الغرض جزع و فزع اور بے صبری کرنے سے مصیبت دور نہیں ہوتی بلکہ اس میں اور اضافہ ہوتا ہے۔

دنیا کے تمام مُفکّرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دنیا کے تمام مُشکلات و مصائب کا واحد حل صبر وضبط میں مُضمر ہے۔ان اللہ مع الصابرین۔

⑫ مکروفریب

انسانی برادری کے باہمی معاملات میں جو چیز مرکزی حیثیت رکھتی ہے وہ دیانتداری ہے۔اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے کاروبار میں ایماندار ہو جس کا جو کچھ دینا ہو ذرہ ذرہ دیدے اور ناپ تول وغیرہ میں کسی قسم کی بددیانتی نہ کرے۔

حدیث میں وارد ہے:

لایعرف المرء بکثرۃ الصوم والصلوٰۃ بل یعرف بالمعاملات

(بحارالانوار)

"انسان کی انسانیت زیادہ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے سے معلوم نہیں ہوتی بلکہ باہمی معاملات میں دیانتداری سے ظاہر ہوتی ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص معاملات میں دیانتدار نہیں وہ صحیح معنوں میں انسان نہیں ہے۔

جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"من غش اخاہ المسلم فلیس بمسلم"

"جو شخص اپنے مُسلمان بھائی کو دھوکہ دیتا ہے وہ صحیح مُسلمان نہیں ہے"۔(بحارالانوار ۱۷)

لہٰذا اس قلبی صفت رذیلہ سے اجتناب لازم ہے۔

⑬ بے شرمی وبے حیائی

شرم وحیا جزء ایمان ہے۔یہی انسان کا وہ عظیم فطری وصف ہے جس سے اور بہت سی خوبیاں جنم لیتی ہیں جیسے عفت، پاک بازی، اعطاء سائل باہمی مروت اور

چشم پوشی، اوراس کی وجہ سے انسان فواحش ومنکرات سے اجتناب کرتا ہے۔

پیغمبر اسلام فرماتے ہیں:

الحیا من الایمان بمنزلة الراس من الجسد

"حیاء کو ایمان سے وہی تعلق ہے جو سر کو جسم سے ہے"۔

فرمایا:

"لاایمان لمن لاحیاء له" (اصول کافی)

"جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں ہے"۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہو گیا کہ جس شخص میں حیا نہیں ہے وہ مومن نہیں ہے اور بے حیا وہ ہے جو فواحش ومنکرات کی پروانہ کرے۔ سچ ہے: ع

اذالم تستحی فاصنع بما شئت

بے حیا باش وھرچه خواهی کن

☆

بنیادی اخلاقِ حسنہ وعالیہ کا بیان

اوپر یہ حقیقت بیان کی جا چکی ہے کہ خدائے علیم وحکیم نے اپنی حکمت کاملہ کے تحت ہر شخص میں تین قوتیں پیدا کی ہیں۔ عاقلہ، غضبیہ اور شہویہ اور یہ حقیقت بھی اوپر بیان کی جا چکی ہے کہ ان تینوں صفتوں کے حد اعتدال پر ہونے سے تین صفاتِ جلیلہ اور اخلاق جمیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی ① حکمت، ② شجاعت اور ③ عفت۔ اوران کے مجموعہ کا نام "عدالت" ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان تینوں صفات جلیلہ اور اخلاقِ جمیلہ کی کچھ تشریح وتوضیح کردی جائے۔

حکمت کی تعریف

ارشادِ قدرت ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (سورة البقرة:۲۶۹)

"جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر عطا کی گئی"۔

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض نبوت میں سے ایک فریضہ تعلیم کتاب و تعلیم حکمت بھی ہے۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

"وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" (سورة البقرة: ۱۲۹)

کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو کتاب (قرآن) اور حکمت (دانائی) کی تعلیم دیتے تھے"۔

حکمت کیا ہے؟

حقائق اشیاء کا علم، اور اس علم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر کام وکلام کے مثبت ومنفی پہلوؤں پر اور اس کے انجام پر غور وفکر کر کے کوئی فیصلہ کرنے کا نام حکمت ودانائی ہے۔ ظاہر ہے کہ علم وحکمت تمام انسانی فضائل وکمالات سے افضل وبرتر ہے، اس سے دنیا میں عزووقار حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں (روحانی) قرب پروردگار اور ملائکہ مقربین، انبیاء ومرسلین اور ائمہ طاہرینؑ کا جوار پُرانوار حاصل ہوتا ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (سورة فاطر:۲۸)

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف اہل علم ہی اس سے ڈرتے ہیں

نیز ارشادِ قدرت ہے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (سورة الفاطر:۹)

کیا عالم و جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟

حضرت رسولِ خدا ﷺ ایک حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

"عالم کے پاس بیٹھ کر ایک گھنٹہ علمی مذاکرہ کرنا ایسے ایک سال کی عبادت سے افضل ہے جس میں دن کو روزہ رکھا جائے اور رات کو قیام کیا جائے"۔ (جامع السعادات)

شجاعت و شہامت کی تعریف

قوت و طاقت فی حد ذاتہ کوئی بری صفت نہیں ہے بلکہ اس کو بے موقع استعمال کرنا بُرا ہے۔ لہٰذا اسلام نے شجاعت و بہادری کی تحسین و تعریف کی ہے اور اس کے استعمال کرنے کے مواقع معین کیے ہیں۔ لہٰذا اگر اس قوت کو اپنی جان، اپنی عزت و ناموس اور اپنے مال اور اپنے دین و مذہب کی حفاظت کے لیے استعمال کیا جائے اور باطل قوتوں کا مقابلہ اور کفار کے مقابلہ میں جہاد کا مقدس فریضہ انجام دینے میں استعمال کیا جائے تو یہ شجاعت قابل مدح و ستائش ہے۔

حدیث میں وارد ہے کہ:

"نہ کسی پر جارحیت کرو، اور نہ کسی کو اپنے خلاف جارحیت کرنے دو"۔

ظاہر ہے کہ اگر آدمی میں جوہر شجاعت ہوگا تو جارح کو جارحیت سے روکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے مُسلمانوں کو میدانِ جہاد میں جم کر اور ثابت قدمی سے دشمن کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا (سورة الانفال:۴۵)

"اے ایمان والو! جب تمہارا (کفار کے) کسی دستہ سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو"۔

اور خدا نے قرآن مجید میں جا بجا شجاعت اور بہادری سے کفار کا مقابلہ کرنے کی مدح وثنا کی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (سورۃ الصف: ۴)

"وہ دشمن سے یوں جم کر جہاد کرتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"۔

جو اہل ایمان ہیں وہ "اشداء علی الکفار" اور "رحماء بینھم" ہوتے ہیں۔ ولنعم ما قیل:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

بہر حال شجاعت قابل تعریف صفت ہے۔ اور موقع ومحل کی مناسبت سے صلح یا جنگ کرنے کا نام شجاعت ہے، اور اس کی افراط وتفریط سے پیدا ہونے والی دونوں صفتیں تہور وجبن یعنی اجڈپن اور بزدلی مذموم ہیں، جن کا کسی جگہ پر تذکرہ کیا جائے گا۔

پاکدامنی کی صفت کی توصیف وتعریف

یہ بہت بڑی بلند صفتِ جلیلہ ہے، جس کا تعلق آدمی کی عزت وآبرو سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے اپنے کلام پاک میں اہل ایمان کے جن صفاتِ جلیلہ وجمیلہ کا تذکرہ فرمایا ہے، ان میں اس عفت وپاکبازی کا خصوصی ذکر کیا ہے۔ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ

اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ ۞ (سورۃ المومنون:۵ و ۶)

"وہ (اہل ایمان) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور سوائے اپنی بیویوں اور مملوکہ کنیزوں کے"......

خداوند عالم عورتوں کی پاکدامنی کے بارے میں فرماتا ہے کہ: "حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَيۡبِ" (سورۃ النساء:۳۴) یعنی "شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والیاں"۔ بہر حال عفت و پاکدامنی انبیاء و اوصیاء کے صفاتِ جلیلہ میں سے ہے۔ قرآن شاہد ہے کہ ان کا اور ان کے آباء و اجداد کا دامن عفت اس گناہ کی آلودگی سے ہمیشہ پاک ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اہل اسلام کو زنا کے قریب جانے سے بھی روکا گیا ہے: "وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰى" (سورۃ بنی اسرائیل) یعنی زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ زنا نہ کرو، بلکہ فرمایا کہ اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ جن حرکات و سکنات سے دل و دماغ میں اس گناہ کی تحریک پیدا ہوتی ہے وہ بھی نہ کرو۔ یعنی نہ نگاہ کرو، نہ ہاتھ لگاؤ اور نہ ہی بوس و کنار کرو۔ اسلام نے ان تمام مقدمات کو بھی جو اس جرم شنیع کا پیش خیمہ بنتے ہیں، حرام قرار دیا ہے۔

قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ (سورۃ النور:۳۰)

وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ يَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ (سورۃ النور:۳۱)

"مومنین سے کہو کہ (جب کوئی نامحرم عورت سامنے آئے تو) نگاہیں نیچی رکھیں...... اور مومنات سے کہو کہ (جب کوئی نامحرم مرد سامنے آئے تو) نگاہیں نیچی رکھیں"۔ (کیونکہ عورت سے ناجائز تعلقات کا پہلا قاصد نگاہ ہے)

عدالت کی تحسین و تعریف

شریعت مقدسہ میں ایک مجتہد و مفتی، پیشنماز، اور گواہ وغیرہ میں عدالت شرط ہے۔ یعنی اگر مجتہد و مفتی اور قاضی عادل نہیں ہے تو وہ نہ فتویٰ دے سکتا ہے اور نہ قضاوت کر سکتا ہے اور اگر پیشنماز اور گواہ عادل نہیں ہے تو وہ پیشنمازی نہیں کرا سکتا اور یہ شرعی عدالت میں گواہی نہیں دے سکتا۔ لیکن وہ فقہی عدالت اور ہے اور یہ علم الاخلاق والی عدالت اور ہے۔

فقہی عدالت سے مراد یہ ہے کہ آدمی عمداً وارادۃً واجباتِ شرعیہ کو ترک نہ کرے اور محرماتِ الٰہیہ کا ارتکاب نہ کرے اور اگر کبھی کبھار بتقاضائے بشریت یا باغواء ابلیس ایسا کر بیٹھے تو کسی دیر و درنگ کے بغیر فوراً "توبۃ النصوح" کر لے۔ مگر علم الاخلاق والی عدالت وہ ہے جو قوتِ عقلیہ سے پیدا ہونے والی حکمت، قوتِ غضبیہ سے پیدا ہونے والی شجاعت اور قوت شہویہ سے پیدا ہونے والی عفت کے اختلاط وامتزاج سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کا نام عدالت ہے۔ جو کہ حکمت، شجاعت اور عفت سے بلند تر ہے۔ اللہ تعالیٰ خود عادل ہے، عدل کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (سورۃ النحل: ٩٠)

"بے شک اللہ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے"۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے:

اِعْدِلُوْا ہُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (سورۃ المائدۃ: ٨)

"عدل کرو کہ یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے"۔

اخلاق کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ سیاست سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ یعنی جو شخص لوگوں کا فیصلہ کرے اسے عادل ہونا چاہیے۔ اور جو شخص خود عادل نہ ہو وہ دوسروں کی

اِصلاح نہیں کر سکتا۔ اگرچہ ہر مُسلمان اور اہلِ ایمان کو عادل ہونا چاہیے، تاہم مُجتہد و مفتی، پیش نماز، گواہ اور بالخصوص حاکم کے لیے اشد ضروری ہے۔ حکام و امراء اور سیاست مداروں کو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیے کہ "یبقی الملك مع الکفر و لا یبقی مع الظلم" کہ ملک کفر کے ساتھ باقی رہ سکتا ہے لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا۔ ع

"وکان عاقبۃ الظلم الوخیم

ظلم کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔ لعنۃ اللہ علی الظالمین...... ولنعم ما قیل

ے

ظفر آدمی اس کو نہ سمجھیے گا خواہ ہو کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہا جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

☆

ساتواں باب

بنیادی اُصولی اخلاقِ رذیلہ وذمیمہ کی اضدادِ حسنہ اور چار اخلاقِ جمیلہ کا تذکرہ

ابھی اوپر چھٹے باب میں یہ حقیقت واضح کی جاچکی ہے کہ جن اخلاقی جرائم و ذمائم کا تعلّق قلب ودماغ سے ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔

① ایک اخلاقی اصول وامہات مُہلکات، اور......

② دوسرے فروعی اخلاقِ رذیلہ وقبیحہ جو ان اصول سے مُتفرّع ہوتے ہیں۔

پھر تفصیل کے ساتھ اسی باب میں ہر دو اقسام کے اخلاقی جرائم وذمائم میں چار عدد اصولی اخلاقی مُہلکات کا اور تیرہ عدد فروعی اخلاقی مُہلکات کا تذکرہ کیا جاچکا ہے، اور وہ چار اصولی اخلاقی مُہلکات یہ تھے:

① حب دنیا ② شح مطاع ③ خواہش نفس کی پیروی ④ اعجاب بالنفس۔

اب ذیل میں ان اخلاقِ حسنہ وعالیہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو ان بنیادی اخلاقِ قبیحہ کی ضد ہیں۔ ع

وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَآءُ

اور وہ چار اصولی اخلاقِ جلیلہ وجمیلہ یہ ہیں:

① زہد وورع

حب دنیا کی ضد زہد ہے...... زہد کے تین حروف میں زاء، ہا، اور دال۔ اربابِ اخلاق نے "زاء" سے ترکِ زینت، "ہا" سے ترک ہوئی، اور "دال" سے ترکِ

دُنیا مرادلی ہے۔ مقصد یہ کہ زاہد وہ ہے جو دنیا کی حقارت و پستی، آخرت کی جلالت و بلندی کے پیشِ نظر سوائے مقدار ضرورت کے باقی سب دنیا و مافیہا سے اِعراض کر کے ہمہ تن آخرت حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہو جائے۔

زہد بڑا جلیل القدر عہدہ ہے جس تک ہر کس وناکس کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ کوئی کوئی خوش قسمت اس مرتبہ جلیلہ کو حاصل کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں:

"اذا اراد اللہ بعبد خیراً زھدہ فی الدنیا و رغبہ فی الاخرۃ وبصرہ بعیوب نفسہ" (جامع السعادات جلد ۲)

"جب خدا کسی بندے کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو دنیا میں زاہد (بے رغبت) اور آخرت میں راغب کر دیتا ہے اور اسے اپنے نفس کے عیبوں سے آگاہ کر دیتا ہے"۔

نیز آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

من زھد فی الدنیا ادخل اللہ الحکمۃ فی قلبہ

"جو شخص دنیا میں زہد اختیار کرتا ہے۔ تو خدا اس کے دل و دماغ میں حکمت بھر دیتا ہے"۔ (ایضاً)

خدا نے اپنے نبی خاتم رسول ﷺ کو خزائن کی کنجیاں دینا چاہیں، مکہ کے پہاڑوں کو ان کی خاطر سونا بنانا چاہا...... مگر پیغمبر ﷺ نے ہر بار یہی کہا: میں تو یہ چاہتا ہوں کہ:

"اشبع یوماً فاشکرک واجوع یوماً فاطلب منک"

"ایک دن سیر ہو کر کھاؤں تاکہ تیرا شکریہ ادا کروں اور ایک دن بھوکا رہوں تاکہ تجھ سے مانگوں"۔ (عین الحیوۃ)

نیز آنحضرت ﷺ نے اہل بیتؑ اور اپنے حبداروں کے لیے عفت (عفت

فــرج و بطن) اور کفاف (روزی بقدر ضرورت) کا خدا سے سوال کیا ہے۔
(اصول کافی)

الغرض حقیقی زہد یہ ہے کہ چونکہ زاہد کی توجہ کا مرکز خدا اور آخرت ہے اس لیے دنیا کا غنا و فقر، دنیا کی مدح ومذمت، دنیا کی عزت وذلت اس کی نظر میں برابر ہو۔ رزقنا اللہ تعـالی هـذه المـرتبة الجليله۔

۲ جود وسخا

یہ شح مطاع اور حرص کی ضد ہے...... اسلام کی بنیادی اخلاقی تعلیمات میں سے ایک سخاوت ہے سخاوت کے معنی اپنے کسی حق کو خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالے کردینے کے ہیں اور اس کی بہت سی صورتیں ہیں۔

۱ اپنا حق کسی کو معاف کرنا۔
۲ اپنا بچا ہوا مال کسی دوسرے کو دینا۔
۳ اپنی ضرورت کا خیال کیے بغیر کسی دوسرے کو دنیا۔
۴ اپنی ضرورت کو روک کر کسی دوسرے کو دینا۔
۵ دوسروں کے لئے جسم کو خرچ کرنا۔
۶ اپنے دماغ کی قوت کو خرچ کرنا۔
۷ اپنی آبرو کو خطرہ میں ڈال دینا۔
۸ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دینا۔
۹ دوسروں کو بچانے یا حق کی حمایت میں اپنی جان دے دینا۔

یہ سب سخاوت کی ادنی یا اعلی قسمیں ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سخاوت اور فیاضی کی تعلیم کتنے اخلاق کی ضمنی تعلیم کو محیط ہے اور سب کا منشاء یہ ہے کہ اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا جائے۔ خدا نے قرآن میں کئی جگہ اپنے نیک بندوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ :

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ (سورۃ البقرۃ:۳)

"ہم نے ان کو جو روزی دی ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں"۔

اسلام میں نماز کے بعد زکواۃ اہم رکن ہے زکواۃ کی اصلی روح یہی سخاوت اور فیاضی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کی نظر میں اس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جب تک کسی میں یہ صفت پیدا نہ ہو۔ اس میں ہم جنسوں کے ساتھ ہمدردی اور محبّت کا جذبہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ کفرونفاق کے بعد مال ودولت کی محبّت وہ کثیف غبار ہے جو دل کے آئینہ کو میلا کرتا ہے اور قبول حق سے روکتا ہے اسلام نے جب اِصلاح کا کام شروع کیا ہے تو سب سے پہلے اسی میل کو دھونا چاہا اور جہاں جود وسخا کی برملا تعریف کی وہاں حرص وبخل کی بہت مذمت کی۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝۱ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝۲ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝۳ (سورۃ الھمزہ:۱تا۳)

پھٹکار ہو ہر غیبت کرنے والے عیب جو پر۔ جس نے دولت اکٹھی کی اور اس کو گن گن کر رکھا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ دولت اس کو ہمیشہ رکھے گی۔

یہی محبّت مال ومنال سچائی اور نیکی کے راستہ پر چلنے سے آدمی کو روکتی ہے شیطان انسان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ میری چیز ہے میں دوسروں کو کیوں دوں؟ دوسروں کو دوں گا تو میں فقیر ونادار ہو جاؤں گا۔ چنانچہ خدا خبر دیتا ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۶۸ (سورۃ البقرۃ:۲۶۸)

شیطان تم کو محتاجی کا خیال دلاتا ہے اور تمھیں بے حیائی کی بات

(بخل) کرنے کو کہتا ہے۔مگر خدا تم سے گناہوں کی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ کشائش والا اور جاننے والا ہے۔

اسلام نے اپنی تعلیم میں انسان کے ان دونوں وسوسوں کا خاتمہ کردیا ہے۔ اس نے اپنے پیروؤں کو ایک یقین دلایا ہے کہ یہ مال حقیقت میں تمہارا نہیں ہے بلکہ وہ صرف خدا کا ہے۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۃ الحدید:۱۰)

"تم کو کیا ہو گیا جو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین وآسمان کی میراث اللہ ہی کی ہے"۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۃ الحدید:۱)

"جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے خدا کا ہی ہے"۔

دوسرا یقین یہ دلایا کہ تمھاری روزی سے جو کچھ دوسروں کو مل جاتا ہے وہ تقدیر الٰہی میں اسی کا حصہ تھا، وہی سب کا روزی رساں ہے۔

وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (سورۃ النمل:۶۴)

"اور آسمان اور زمین سے تم کو کون روزی دیتا ہے؟ آیا خدا کے سوا کوئی اور خدا بھی ہے؟"

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ ﴿۵۸﴾ (سورۃ الذاریات:۵۸)

نیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بے پایاں ثواب بیان فرمائے۔

(سیرۃ النبیؐ جلد ۶)

③ تقویٰ وپرہیزگاری

یہ اتباع ہویٰ کی ضد ہے اگر حضرت رسول خدا ﷺ کی تمام تعلیمات کا

خلاصہ ہم صرف ایک لفظ میں ادا کرنا چاہیں تو ہم اس کو" تقویٰ" سے ادا کر سکتے ہیں۔
اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد اقصی تقویٰ کی روح کو بیدار کرنا ہے۔

قرآن نے اپنی دوسری ہی سورۃ میں اعلان کر دیا کہ اس سے فائدہ وہی اٹھائیں گے جو تقویٰ والے ہیں۔ ھدیً للمتقین۔ اسلام کی ساری عبادتوں کا منشاء تقویٰ کا حاصل کرنا ہے۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ (سورۃ البقرہ:۲۱)

" اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تمھارے پہلوں کو پیدا کیا تا کہ تم تقوی حاصل کرو"۔

یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل تقویٰ ہی اُخروی نعمتوں کے مستحق ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ (سورۃ الدخان:۵۱)

" بے شک اہل تقوی امن وامان والے مقام میں ہونگے"۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ (سورۃ الطور:۱۷)

" بے شک تقویٰ والے باغوں اور نعمت میں ہوں گے"۔

اگر چہ اہل تقویٰ کو ابتداء میں کسی قدر مُصیبتیں اور بلائیں پیش آتی ہیں۔ مُشتبہ اور حرام سے بچنا پڑتا ہے۔ مگر آخری کامیابی اہل تقویٰ کے لیے ہے۔

ارشاد قدرت ہے:

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ (سورۃ الاعراف:۱۲۸)

آخری انجام اچھا صرف تقویٰ والوں کا ہے۔

وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ (سورۃ زخرف:۳۵)

جنت بھی اہل تقویٰ کیلئے ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورۃ القصص:۸۳)

نیز قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل تقویٰ خدا کے محبوب ہیں۔

ارشاد قدرت ہے:

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ. (سورۃ الانفال:۳۴)

"تقویٰ والے ہی خدا کے دوست ہیں"۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورۃ التوبۃ:۴)

"بے شک خدا تقویٰ والوں سے پیار کرتا ہے"۔

اہل تقویٰ خدا کی معیت سے سرفراز ہیں۔

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورۃ البقرہ:۱۹۴)

"جان لو کہ بے شک خدا تقویٰ والوں کے ساتھ ہے"۔

عمل بھی اہل تقویٰ کے قبول ہوتے ہیں۔

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورۃ المائدہ:۲۷)

"خدا صرف تقویٰ والوں ہی سے قبول کرتا ہے"۔

اسلام میں برتری کا معیار؟

تقویٰ کی اسی اہمیت کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے وطن، رنگ، زبان، خاندان غرض کہ نوع انسانی کے صدہا خودساختہ اعزازی مرتبوں کو مٹا کر صرف ایک امتیازی معیار قائم کیا ہے جس کا نام تقویٰ ہے جو ساری نیکیوں کی جان ہے۔ چنانچہ قرآن باآوازِ بلند یہ اعلان کرتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْاؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ (سورۃ الحجرات: ۱۳)

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے پھر ہم نے تم کو مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کر دیا تاکہ تمھاری باہم شناخت ہو سکے۔ تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ تقویٰ والا ہے"۔

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟

تقویٰ کیا ہے؟

اس کے لغوی معنی تو بچنے اور پرہیز کرنے کے ہیں۔ مگر اِصطلاحِ شریعت میں تقویٰ دل کی اس کیفیّت کا نام ہے جو خدا کو ہمیشہ حاضر ہونے کا یقین پیدا کر کے دل میں خیر و شر کی تمیز اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتی ہے۔ تقویٰ کا اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ واجبات کی بجا آوری تو کیا مستحبات کو بھی ترک نہ کیا جائے اور حرام تو بجائے خود مکروہ سے بھی دامن کو بچایا جائے۔ مگر تقویٰ کا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر واجبات کو ترک نہ کیا جائے اور حرام کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

مذکورہ بالا حقائق سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ تقویٰ دل کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین کیفیّت کا نام ہے جو تمام نیکیوں کی محرک ہے اور سارے مذہب کی جان اور دینداری اس کی روح رواں ہے۔

رزقنا اللہ للتقوی و جمیع اهل الایمان بجاہ النبی والہ سادۃ الانس والجان علیہ وعلیہم صلوت الرحمن

④ انکساری اور خاکساری

یہ کبروغرور اور اعجاب نفس کی ضد ہے۔ یہ کبریائی خدائے تعالیٰ کی خاص صفت ہے:

وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۖ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

"بڑائی اسی کے لیے ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہی زبردست حکمت والا ہے"۔ (سورۃ الجاثیہ:۳۷)

اس لئے بندوں کی یہ شان نہیں کہ کبریائی اور بڑائی کا اظہار کریں۔ خدا نے حضرت لقمانؑ کی یہ اخلاقی نصیحت جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی قرآن میں نقل فرمائی ہے جو خاکساری کے مختلف مظاہر پر مشتمل ہے۔

وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۖ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَ اقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۖ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ (سورۃ لقمان ۱۸و۱۹)

"اور لوگوں سے بے رخی نہ کر اور زمین پر اترا کہ نہ چل کیونکہ اللہ کسی اترانے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر اور بات کرنے میں ہولے ہولے بول کیونکہ سب سے بری آواز گدھے کی ہے"۔

بہر حال اسلام میں انکساری و خاکساری ایک شریفانہ صفت ہے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ خاکساری اور ذلت و دنائت اور بیچارگی میں بڑا فرق ہے۔ خاکساری کا منشاء یہ ہے کہ انسان میں کبروغرور پیدا نہ ہو اور ہر شخص دوسرے کی عزت کرے۔ لیکن دنائت و ذلت کا یہ مطلب ہے کہ انسان بعض اغراض فاسدہ کے لیے اپنی خودداری کے جوہر کو کھودے۔ کیونکہ خاکساری کی وجہ سے مرتبہ بڑھتا ہے اور دنائت و بیچارگی سے مقام گھٹتا ہے۔

تیرہ عدد فروعی اخلاقِ رذیلہ کی ضد سولہ عدد اخلاقِ عالیہ کا تذکرہ

نوٹ: سابقہ باب (نمبر٦) میں اخلاقِ مُہلکہ ورذیلہ کی دوسری قسم یعنی فروعی اخلاقِ رذیلہ کے ضمن میں تیرہ عدد اخلاقِ رذیلہ وقبیحہ کا تذکرہ کیا گیا تھا، جیسے غیظ وغضب اور حقد وکینہ وغیرہ وغیرہ۔ اب ذیل میں ان فروعی ۱۳ عدد اخلاقِ رذیلہ کی ضد سولہ عدد اخلاقِ جلیلہ وجمیلہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ مبَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ مبَیِّنَةٍ (الانفال:۴۲)

① حلم وبردباری

یہ غیظ وغضب کی ضد ہے حلم وبردباری کے معنی یہ ہیں کہ انتقام کی قدرت کے باوجود کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کر لیا جائے اور قصوروار سے کوئی تعرض نہ کیا جائے یہ بہت بڑی اخلاقی صفت جلیلہ ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اخلاق کی یہ بہت بھاری اور دشوار تعلیم ہے جو اکثر نفوس کو بڑی شاق گزرتی ہے۔ لیکن اسلام نے اس سنگلاخ زمین کو بھی بڑی آسانی سے طے کیا ہے۔ وہ جاہلوں اور نااہلوں کی گالی گلوچ ان کے ظلم وستم پر صبر کرنے اور ان کو معاف کرنے کی تعلیم دیتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۰۰﴾

(سورۃ الاعراف: ۱۹۹و۲۰۰)

"معاف کرنے کی خو پکڑو اور نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کشی کرو اور اگر تم کو شیطان کی چھیڑ ابھار دے (غصہ آجائے) تو خدا کی پناہ لو۔ وہ سننے اور جاننے والا ہے"۔

خداوند عالم اپنے خاص بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ (سورۃ آلِ عمران:۱۳۴)

"وہ غصہ کو دبانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں خدا اِحسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

ارشاد قدرت ہے۔

وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ (سورۃ الشوریٰ:۴۳)

"البتہ جو شخص برداشت کرے اور باوجود انتقام لینے کی قدرت رکھنے کے معاف کرے تو بیشک یہ ہمت کے کام ہیں"۔

یہی لفظ انبیاءؑ کے حق میں استعمال کیا گیا ہے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (سورۃ الاحقاف:۳۵)

"سکون کی حالت میں درگزر کرنا چنداں مُشکل نہیں۔ مگر غصہ کے وقت بے قابو نہ ہونا بڑی بات ہے"۔

خدا نے اپنے نیکوکار بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ (سورۃ الشوریٰ:۳۷)

"اور جب ان کو غصہ آجائے تو معاف کردیتے ہیں"۔

صفت حلم وہ جلیل القدر صفت ہے جس سے انبیاءؑ و مرسلینؑ متّصف فرمائے گئے ہیں۔ جناب ابراہیمؑ کے حق میں وارد ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ (سورۃ التوبہ:۱۱۴)

"بے شک حضرتؑ بڑے نرم دل اور بردبار تھے"۔

جناب اسماعیلؑ کی نسبت وارد ہے:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ (سورۃ الصفت:۱۰۱)

"ہم نے ان کو ایک بڑے بردبار لڑکے کی بشارت دی"۔

ایک شخص نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بار بار درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپؐ نے ہر بار یہ جواب دیا۔ غصہ نہ کر (لئالی الاخبار)

اور اگر غصہ آجائے تو اسے ضبط کیا جائے اور اس اشہب غیظ و غضب کے منہ میں حلم و بردباری کی لگام دی جائے۔

۲ عفوودرگزر

یہ انتقام کی ضد ہے ابھی اوپر حلم و بردباری کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ عفوودرگزر کی عظمت سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ عفوودرگزر خداوند عالم کی بہت بڑی صفت ہے۔ اگر وہ درگزر سے کام نہ لے۔ تو پل بھر میں یہ گناہوں سے بھری ہوئی دنیا تباہ و برباد ہو جائے۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَ يَعْفُوا عَنِ السَّيِّاٰتِ (شوری:۲۵)

"خدا وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں کو معاف کر دیتا ہے"۔

اَوْ يُوبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَ يَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (شوری:۳۴)

"اگر خدا چاہے تو گنہگاروں اور بدکاروں کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دے۔ اور بہتوں کو معاف کر دیتا ہے"۔

قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے اپنے کو دو جگہ "غافر" (بخشنے والا) پانچ دفعہ غفار (بڑی بخشائش والا) اور اتنے ہی دفعہ "عفو" (معاف کرنے والا) اور ستر سے زیادہ آیتوں میں "غفور" (بہت بخشنے والا) کہا ہے۔ خدا اپنی اس صفت کی تجلّی اپنی مخلوق میں پیدا کرنے کی دعوت دیتا ہے:

اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ (سورۃ النساء:۱۴۹)

"اور کسی کی برائی معاف کرو تو بیشک اللہ معاف کرنے والا اور قدرت والا ہے"۔

اس آیت نیز درج ذیل آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اگر ہم اپنے قصور واروں کو معاف کریں گے تو خدا ہمارے قصور معاف کرے گا۔

وَلۡيَعۡفُوۡا وَلۡيَصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَـكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۲﴾ (سورۃ النور:۲۲)

"چاہیے کہ وہ معاف اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تم کو معاف کرے؟ اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے"۔

خدائے حکیم صرف یہی نہیں کہ اہل ایمان کو عفو و درگزر کرنے کا حکم دیتا ہے بلکہ وہ تو برائی کا جواب بھلائی میں دینے کی ترغیب دیتا ہے۔

اِدۡفَعۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَصِفُوۡنَ ﴿۹۶﴾

(سورۃ المومنون:۹۶)

"(اگر تم سے کوئی بدی کرے) تو برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو جو بہت اچھا ہو جو کچھ یہ لوگ تمہاری نسبت کہا کرتے ہیں ہم کو خوب معلوم ہے"۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ درگزر کرنے سے ان کے رعب داب میں فرق آجائے گا! یہ خیال بالکل غلط ہے یہ درست ہے کہ انتقام لینے سے گو فوری جذبہ کی تسکین ہو جاتی ہے۔ اور کمزوروں پر رعب بھی پڑ جاتا ہے مگر اس سے پائیدار اور شریفانہ عزت پیدا نہیں ہوتی عفو و درگزر کرنے سے پائیدار عزت اور شریفانہ وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس لئے پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ:

"جو شخص جس قدر عفوودرگزر کرتا ہے، اتنا ہی اس کی عزت بڑھتی ہے"۔ الغرض: ع

در عفو لذتے است کہ در انتقام نیست

۳ رفق ولطف اور نصیحت

یہ حسد کی ضد ہے حسد میں آدمی اپنے محسود کی نعمت کے زوال کی خواہش کرتا ہے اس کے دکھ درد پر خوش ہوتا ہے۔ مگر جس چیز سے انسان کا اخلاقی حسن دوچند ہوجاتا ہے وہ لطف ونصیحت ہے کہ انسان اپنے مخالف کی بھی بھلائی چاہے اور اس کی نعمت کے بقا کا ارادہ رکھے اور اس کے ساتھ لطف ومدارات کے ساتھ پیش آئے۔ اصل لطف ورفق یہ ہے کہ باہمی معاملات میں سختی کی بجائے نرمی اختیار کی جائے۔ جو بات کی جائے وہ نرمی سے، جو سمجھایا جائے وہ سہولت سے اور جو مطالبہ کیا جائے وہ ایسے میٹھے طریقے سے کہ جس سے پتھر بھی موم ہوجائے (کیونکہ میٹھے بول میں جادو ہے) حقیقت یہ ہے کہ حلم (بردباری) عفوودرگزر، چشم پوشی اور خوش خلقی۔ الغرض ان تمام اخلاق کے عطر کا نام جن میں شان جمالی پائی جاتی ہے۔ رفق ولطف اور نرم دلی اور نرم خوئی ہے۔ خدا نے کئی آیات میں اپنے کو لطیف فرمایا ہے جیسے:

اَللّٰهُ لَطِيفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ج وَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾

(سورۃ الشوری:۱۹)

"اللہ اپنے بندوں پر لطف فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے روزی دیتا ہے وہ قوت والا اور غالب ہے"۔

جب جناب موسیٰؑ اور جناب ہارونؑ فرعون جیسے ظالم وجابر حکمران کے دربار میں تبلیغ حق کے لیے بھیجے جاتے ہیں تو ان کو خدا یہ آدابِ تبلیغ سکھاتا ہے:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ (سورۃ طٰہٰ:۴۴)

"تم دونوں اس سے نرم بات کرنا شاید وہ نصیحت پائے یا (خدا سے) ڈرے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نرمی اونرم خوئی تبلیغ کی کامیابی کی اولین شرط ہے حضرت پیغمبر خاتم ﷺ کو اس خلق عظیم سے وافر حصّہ ملا تھا۔

ارشاد قدرت ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (سورۃ آلِ عمران:۱۵۹)

"اللہ کی رحمت کے سبب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے۔ اگر تم اکھڑ مزاج اور سخت دل ہوتے تو لوگ تمھارے پاس سے تتر بتر ہو جاتے"۔

الغرض

آسائش دوگیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطّف با دشمناں مدا را

④ تواضع

یہ "تکبّر" کی ضد ہے۔ ابھی اوپر جو کچھ انکساری وخاکساری کے زیر عنوان بیان کیا گیا ہے، وہ "تواضع" کی حقیقت وفضیلت سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

⑤ اخلاص

یہ "ریا" و"مداہنت" کی ضد ہے۔ ذمائم قلبیّہ کے سلسلہ میں بذیل عنوان "ریاء ونفاق" اخلاص کے متعلّق ضمناً بہت کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔ بنظر اِختصار اس سے زیادہ یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

⑥ سخاوت

یہ بخل کی ضد ہے سطور بالا میں جود و سخا کے متعلق بقدر ضرورت بہت کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اس موضوع پر مزید خامہ فرسائی کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی گنجائش۔

⑦ قناعت

یہ حرص کی ضد ہے اسلامی استغنا کی بنیاد قناعت ہے یعنی جو کچھ مل جائے۔ اس پر طمانیت حاصل کی جائے۔ اور زیادہ حرص و لالچ نہ کیا جائے۔

ارشاد قدرت ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (سورۃ النساء: ۳۲)

"اور جس چیز میں خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ تم اس کی ہوس نہ کرو"۔

غنیٌ کل من یقنع فقیر کل من یطمع

جو حریص ہے وہ باوجود غنی اور دولت مند ہونے کے بھی فقیر ہے اور جو قانع ہے وہ باوجود زیادہ مال و دولت نہ رکھنے کے بھی غنی ہے۔ کیونکہ

تو نگری بدل است نہ بمال

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں خوشخبری ہو اس شخص کو جس کو اسلام کی ہدایت ملی۔ اس کی روزی بقدر ضرورت ہے مگر خدا نے اسے اس پر قانع بنا دیا ہے۔

(بحار الانوار جلد ۱۷)

کئی حدیثوں میں وارد ہے کہ:

"جو شخص خدا کی دی ہوئی تھوڑی روزی پر راضی ہو جائے گا تو خدا اس کے تھوڑے عمل پر بھی راضی ہو جائے گا"۔

(منتہی الآمال جلد ۲)

بہرحال لوگوں سے اِستغناء و بے نیازی اور خدا کی تھوڑی بہت دی ہوئی روزی پر قناعت ہی مُسلمان کا زیور ہے، اور اسی میں اس کا جمال ہے، اور اسی میں اس کا کمال کہ: ع

پائی میں نے اِستغنا میں معراج مُسلمانی

⑧ اعتدال ومیانہ روی

یہ اسراف وتبذیر کی ضد ہے سابقہ اوراق میں اسراف وتبذیر کے ضمن میں اعتدال ومیانہ روی کے موضوع پر بقدرِضرورت تبصرہ کیا جاچکا ہے اور یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ اعتدال ومیانہ روی اسلام کا خُصُوصی طغرائے امتیاز ہے۔ یہاں اس پر اس سے زیادہ گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔

⑨ شکر

یہ کفران نعمت کی ضد ہے سابقہ صفحات میں کفران نعمت کے بیان کے ذیل میں شکر کا مفہوم اور اس کی فضیلت پر بہت کچھ روشنی ڈال دی گئی ہے۔ بنظر اختصار اس سے زیادہ کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

⑩ رجاء وخوف

یہ رجاء وامید یاس وناامیدی کی ضد ہے۔ فلاسفۂ یونان میں سے ایک گروہ رجائیت پسند تھا۔ اور دوسرا قنوطیت کا شکار۔ پہلے گروہ کو دنیا میں عیش وآرام کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا، وہ کھاؤ پیو، خوش رہو اور کل کی فکر نہ کرو کی تعلیم دیتا ہے۔ جبکہ دوسرے گروہ کو دنیا تیرہ وتار اور خارزار نظر آتی ہے۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ خاموش رہو۔ زندگی میں موت کی صورت بنالو کہ دنیا کی آخری منزل یہی ہے۔ مگر اسلام کی تعلیم ان کے بین بین ہے۔ وہ ایک طرف دنیا کے فناوزوال کا قصہ بار بار سناتا ہے کہ دل بادہ غفلت سے سرشار نہ ہو اور دوسری طرف وہ بندوں کو خدا کی رحمت سے

ناامید بھی نہیں ہونے دیتا۔ اسلام کی شریعت میں خدا کے فیض سے ناامیدی اور کفر ایک ہے اس کی تعلیم ہے۔

وَ لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ (سورۃ یوسف:۸۷)

"اور خدا کے فیض سے ناامید نہ ہو۔ کیونکہ خدا کے فیض سے ناامید وہی ہیں جو کافر ہیں"۔

خدائے رحیم و کریم امت مرحومہ کو کس پیار سے خطاب فرماتا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (سورۃ زمر:۵۳)۔

"اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تم خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو"۔

اسلام مشکل سے مشکل مقامات پر بھی مسلمان کو مایوس نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ وہ اسے اخیر وقت تک خدا کے سہارے جینے کی تعلیم دیتا ہے۔ ؎

نومیدی از تو کفر و تو راضی نہء بکفر
نومیدیم دگر بتو امیدوار کرد

خلاصہ کلام یہ کہ آدمی سب لوگوں سے بڑا نیک ہو تو بھی خدا کے عذاب سے ڈرے مبادا کسی گناہ کی پاداش میں خدا اس کو گرفتار کر لے۔ اور اگر ساری دنیا سے بڑا گنہگار ہے تو بھی اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور توبہ کرے شاید خدا اس کو اپنے دامن رحمت میں جگہ دے دے۔

⑪ رأفت و رحمت

یہ قساوت قلبی کی ضد ہے اسی صفت رذیلہ کے ذیل میں رحمت و رافت پر بقدر

ضرورت تبصرہ کر دیا گیا ہے اس سے زیادہ کی اس مختصر میں گنجائش نہیں ہے۔

⑫ علم وفہم

یہ جہل کی ضد ہے اس پر بالا ستقلال سطور بالا میں بقدر ضرورت و گنجائش تبصرہ کر دیا گیا ہے۔

⑬ تودیہ وتانی

یہ عجلت وجلد بازی کی ضد ہے اسی صفت قبیحہ کے ضمن میں تانی پر بھی بقدر وسعت وضرورت روشنی ڈال دی گئی ہے جو ارباب عقل وفکر کے لئے کافی ہے۔

⑭ صبر وضبط

یہ جزع فزع کی ضد ہے اس موضوع پر بھی مذکورہ صفت رذیلہ میں سیر حاصل تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ مزید خامہ فرسائی کی احتیاج نہیں ہے۔

⑮ دیانت وامانت

یہ مکر وفریب کی ضد ہے گذشتہ اوراق میں اسی صفت سیئہ کے ذیل میں بقدر گنجائش دیانت وامانت پر تبصرہ کر دیا گیا ہے مزید ضرورت نہیں ہے۔

⑯ شرم وحیا

یہ بے حیائی کی ضد ہے۔ جہاں سابقہ صفحات میں بے شرمی و بے حیائی پر تبصرہ کیا گیا ہے وہاں شرم وحیا کی فضیلت پر بھی مختصر سا تبصرہ کر دیا گیا ہے، جو کہ ایک دیدہ بینا اور گوش شنوندہ رکھنے والوں کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ: ع

عاقلاں را اشارتے کافیست

آٹھواں باب

دل و دماغ کی تطہیر کا طریقہ اور دوسرے بعض اخلاقِ عالیہ کا تذکرہ

اربابِ علم وعقل پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ انسان سے جس قدر اختیاری افعال صادر ہوتے ہیں وہ چونکہ دل ودماغ کے ماتحت صادر ہوتے ہیں اس لیے دل و دماغ کی طہارت ونجاست کا انسانی کردار ورفتار پر لازمی اثر پڑتا ہے۔ یعنی اگر دل و دماغ پاکیزہ ہوں تو ان سے اچھے کام صادر ہوتے ہیں اور اگر دل ودماغ گناہوں کی آلودگی سے نجس ہوجائیں تو ان سے برے کام صادر ہوتے ہیں۔ اس لیے دل و دماغ کی تطہیر ضروری ہے۔ اور ہر قسم کے جرائم جوارحی اور ذمائم قلبی سے ان کا پاک ہونا لازم ہے۔ اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں۔

① آدمی یہ دیکھے کہ ان جرائم اور ذمائم کے علل واسباب کیا ہیں اور جب معلوم ہوجائیں تو ان کا قلع قمع کرے۔

② مذکورہ بالا جرائم اور اخلاقِ رذیلہ کی مذمت میں واردشدہ آیات وروایات میں غور وفکر کرے اور ان کی اضداد یعنی اخلاقِ جلیلہ وجمیلہ کے بارے میں واردشدہ آیات وروایات میں تامل وتدبر کرے۔ اور ان ذمائم قلبیہ سے نجات حاصل کرے۔

③ اور دل ودماغ کی تطہیر کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ دوسرے بعض اخلاقِ عالیہ اپنے اندر پیدا کرے، جیسے رضا بالقضا وصدق وصفا وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ ایسے ہی بعض اخلاقِ جلیلہ وجمیلہ کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

① رضا بالقضا

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ جانتے ہوئے کہ دکھ ہو یا سکھ، رنج ہو یا راحت، غم ہو، یا فرحت فقر ہو یا غنا، صحت ہو یا مرض، موت ہو یا حیات، سب خدائے عادل ومہربان کی طرف سے ہیں۔ نیز یہ بھی یقین ہو کہ خدا اپنے بندوں کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جس میں ان کی بہتری ہوتی ہے اگرچہ وہ اس کی مصلحت کو نہ بھی سمجھ سکیں اور یہ بھی علم ہو کہ حزن و بے قراری یا ناراضی اور اعتراض کرنے سے خدا کی قضا بدل بھی نہیں سکتی، ہر حالت میں راضی برضائے الٰہی رہے اور کسی حالت میں بھی نہ خدا پر ناراض ہو اور نہ ہی زبان اعتراض دراز کرے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کا دل ودماغ ہر قسم کے فکر وغم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ سچ ہے کہ ؎

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

حدیث قدسی میں وارد ہے خدا فرماتا ہے:

من لم یرض بقضائی و لم یصبر علی بلائی و لم یشکر نعمائی فلیخرج من ارضی و سمائی و لیطلب ربا سوای

"جو شخص میری قضا وقدر پر راضی نہیں رہ سکتا، میری نازل کردہ بلا ومصیبت پر صبر نہیں کر سکتا اور میری نعمتوں پر شکر نہیں کر سکتا۔ اسے چاہیئے کہ میری زمین و آسمان سے نکل جائے اور کوئی اور پروردگار تلاش کرے"۔ (الجواہر السنیہ)

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تکلیف ومصائب کے ازالہ کے جو ظاہری علل و

اسباب ہیں ان کو بروئے کار نہ لائے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہے۔ نہیں بلکہ مقدور بھر کوشش کرے مگر نتیجہ کو خدا پر چھوڑ دے اور اگر اس کی کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہو تو سمجھ لے کہ تقدیر کچھ اور ہے کیونکہ: ع

تدبیر کے پر جلتے ہیں تقدیر کے آگے

اور پھر صبر و شکر سے کام لے کر مہر بلب ہو جائے جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ درحقیقت اسلام جس توکل و اعتماد علی اللہ پر بہت زور دیتا ہے۔ اس کا بھی صحیح مفہوم یہی ہے کہ ممکنہ سعی و کوشش کر کے نتیجہ خدا پر چھوڑ دیا جائے۔ ؎

گفت پیغمبر باآواز بلند
بر توکل زانوے اشتر بہ بند

خدا پر توکل کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آدمی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو۔

۲ قصر امل

اخلاقی مطہرات میں سے ایک قصر الامل (امیدوں کا مختصر کرنا) بھی ہے لمبی امیدیں باندھنا کہ میں بوڑھا ہو کر یہ کروں گا اتنے سال کے بعد وہ کروں گا۔ ہنوز بڑا وقت ہے فلاں وقت ایسا کروں گا۔ یہ بڑی خطرناک قلبی بیماری ہے جس کا سبب حب دنیا اور جہالت ہے اس کا نتیجہ ترک اطاعت، حرص، طمع، آخرت کی فراموشی اور دل کی سختی ہے۔

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان اخوف ما اخاف علیکم اثنان اتباع الھوی وطول الامل اما اتباع الھوی فیسد عن الحق واما طول الامل فینسی الاخرۃ (نہج البلاغہ)

"مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ خطرہ دو چیزوں کا ہے۔

ایک خواہش نفسانیہ کی پیروی۔ دوسری لمبی امیدیں۔ کیونکہ خواہش کی اتباع آدمی کو حق سے باز رکھتی ہے، اور لمبی امیدیں آخرت بھلادیتی ہیں"۔

حدیث میں وارد ہے:

اذا اصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء و اذا امسیت فلا تحدث نفسك بالصباح

"جب صبح کروتو نفس سے شام کی بات نہ کرو، اور جب شام کروتو صبح کی بات نہ کرو۔ نہ معلوم شام یا صبح ہوتے ہوتے کیا انقلاب رونما ہوجائے"۔

جو کچھ کرنا ہے آج کرلو۔ ماتدری ما اسمك غداً۔ تجھے کیا معلوم کہ تیرا نام کل کیا ہوگا۔ (زندوں کی فہرست میں ہوگا یا مردوں کی لسٹ میں؟)

لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ جب مستقبل کے بارے میں کوئی بات کرے کہ ایسا کروں گا تو "ان شاء اللہ" ضرور کہے۔ اپنی امیدوں اور آرزوؤں کو جس قدر ہو سکے مختصر کرے اور وقت موت کی آمد کا منتظر رہے۔ لہٰذا عقلمندی یہ ہے کہ

هرچه گیرید مختصر گیرید
فان الموت یاتیك ولو صیرت قارونا

④ صدق وسچائی

صدق وراستی تمام اخلاقی خوبیوں میں سرفہرست ہے۔ اس کی ایک فضیلت کے نتیجے میں بہت سی اخلاقی فضیلتیں حاصل ہوجاتی ہیں۔ انسان کے ہر قول وعمل کی درستی کی بنیاد یہ ہے کہ اس کے لیے اس کا دل اور اس کی زبان باہم ایک دوسرے سے

مطابق اور ہم آہنگ ہوں اسی کا نام صدق و سچائی ہے۔ صدق صفات ربانی میں سے بڑی صفت جلیلہ ہے۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾ (سورۃ النساء:۸۷)

"بات میں خدا سے بڑھ کر کون سچا ہے؟"۔

اسی طرح ہادیان برحق کا پہلا وصف صدق ہے۔ اگر ان کا دعویٰ دلیل سے اور احکام صدق سے خالی ہوں تو ان کی ہدایت کی عمارت دھڑام سے زمین بوس ہو جائے۔

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾

(سورۃ مریم:۴۱)

یہ سچائی کی اہمیت کی واضح دلیل ہے کہ نہ صرف یہ کہ سچائی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ یہ تاکید بھی کی گئی ہے کہ ہمیشہ سچوں کی معیّت اختیار کرو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾ (سورۃ التوبہ:۱۱۹)

"اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ"۔

گو اس سچائی کا حقیقی صلہ تو دوسری زندگی میں ملے گا۔

هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (سورۃ المائدہ:۱۱۹)

"یہ وہ دن ہے کہ سچے بندوں کو ان کا سچ فائدہ دے گا"۔

مگر دنیا میں بھی اس کا ثمرہ ہوتا ہے کہ سب لوگ سچے آدمی پر بھروسا کرتے ہیں لوگوں کو اس کے قول و فعل پر اعتبار ہوتا ہے اور اس طرح اس کی عزت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے۔

سچائی اختیار کرنے سے ہر نیکی کے حصول کا راستہ آسان ہو جاتا ہے اور ہر بدی کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور جھوٹ بولنے والے کا دل ہر برائی کا گھر بن جاتا ہے اس امر کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک شخص حضرت رسولِ خدا

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھ میں چار بری خصلتیں ہیں۔ بدکار ہوں، چوری کرتا ہوں، شراب پیتا ہوں، جھوٹ بولتا ہوں، ان میں سے جس کے متعلق حکم دیں آپ کی خاطر ایک کو چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ فرمایا جھوٹ نہ بولا کر۔ اس نے عہد کیا اور اس کی برکت سے اس کے سب گناہ چھوٹ گئے جب بھی کسی گناہ کا ارادہ کرتا تو سوچتا کہ اگر پیغمبرؐ کی خدمت میں گیا اور انہوں نے پوچھ لیا تو اگر سچ کہا تو سزا ملے گی اور اگر جھوٹ بولا تو وعدہ خلافی ہوگی۔ (خزینۃ الجواہر)

④ صدق کے اقسام

گو سچائی کے عام معنی تو سچ بولنے کے لیے جاتے ہیں مگر اسلام کی نگاہ میں اس کے بڑے وسیع معنی ہیں جس کے اندر زبان کی سچائی، دل کی سچائی اور عمل کی سچائی تمام داخل ہیں۔

⑤ زبان کی سچائی

زبان سے جو بولا جائے وہ سچ بولا جائے۔ کوئی لفظ خلاف صداقت نہ نکلے یہ سچائی کی مشہور قسم ہے جس کی پابندی ہر مسلمان پر فرض ہے وعدہ پورا کرنا، قول و قرار کو نباہنا، اسی میں داخل ہے۔ یہ سچائی ایمان کی علامت اور جھوٹ نفاق کے ہم معنی ہے۔ خدا فرماتا ہے:

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ

(سورۃ الاحزاب: ۲۴)

"تاکہ خدا سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقین کو اگر چاہے تو سزا دے"۔

اس آیت میں صادق کا مقابل منافق کو قرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدق ایمان کا اور کذب نفاق کا سرمایہ ہے۔ اس کی تائید اس حدیث نبویؐ سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں فرمایا کہ:

"جس شخص میں تین باتیں پائی جائیں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ایک ہو اس میں ایک نشانی پائی جاتی ہے۔ امانت میں خیانت، بولنے میں جھوٹ، وعدہ خلافی"۔ (خصالؒ شیخ صدوقؒ)

اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (سورۃ النحل:۱۰۵)

"جھوٹ صرف بے ایمان ہی بولتے ہیں"۔ (اعاذنا اللہ منہ)

⑥ دل کی سچائی

صدق کی یہ قسم اور اخلاص ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یعنی جو کچھ زبان سے نکلے دل کی تہہ میں بھی وہی ہو اس لیے خدا نے منافقین کے زبانی سچ (اقرار رسالت) کو بھی جھوٹ کہا ہے کیونکہ وہ دل کی گہرائیوں سے نہیں نکلا تھا۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ① (سورۃ المنافقون:۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری عمل باطنی اوصاف کے مطابق ہو مثلاً اگر بظاہر نماز خشوع وخضوع سے پڑھی جا رہی ہے تو دل میں بھی خشوع وخضوع موجود ہو اور اس سے صرف نمائش مقصود نہ ہو۔ بلکہ حقیقی عبادت مطلوب ہو۔

⑦ عمل کی سچائی

اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب زبان سے خدا کو خدا، رسولؐ کو رسولؐ اور امامؑ کو امامؑ مان لیا تو اب اپنے عمل وکردار سے بھی اس اقرار کی تصدیق وتائید کی

جائے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

(سورۃ الحجرات:۱۵)

"مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ پھر کسی طرح کا شک وشبہ نہیں کیا اور اللہ کے راستہ میں اپنی جان ومال کے ساتھ جہاد کیا۔ یہی لوگ ہیں سچے"۔

ظاہر ہے کہ ان کو حقیقی سچا اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ انہوں نے دل وزبان سے جو اقرار کیا تھا اپنے عمل سے اس کا اظہار کر کے اس کی تصدیق کر دی بہر حال جب ان تینوں قسموں میں کوئی کامل ہو تو وہ کامل راست باز اور صادق سمجھا جائے گا۔

اللھم ارزقنا صدق الحدیث

⑧ خوش کلامی وخوش اخلاقی

خوش کلامی کا مقصد یہ ہے کہ باہمی گفتگو میں ایک دوسرے کے ادب کو ملحوظ رکھا جائے اور خندہ پیشانی سے بات چیت کی جائے تاکہ آپس میں خوشگوار تعلقات پیدا ہوں اور مہر ومحبّت میں اضافہ ہو۔ خدا فرماتا ہے:

وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (سورۃ البقرہ:۸۳)

"لوگوں سے اچھی بات کہو"۔

سلام کرنا، حال پوچھنا، شکریہ ادا کرنا، دعائیں دینا، نصیحت کرنا، اچھی باتوں کی تلقین کرنا، اسی صفت کے مختلف مظاہر ہیں اور اسی کو شریعت میں "حسنِ خلق" کہا جاتا ہے۔ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں۔

مایوضع فی میزان امرء یوم القیامة افضل من حسن الخلق

"قیامت کے دن حسن خلق سے افضل کوئی چیز انسان کے میزان عمل میں نہیں رکھی جائے گی"۔

نیز فرمایا:

یا بنی عبدالمطلب انکم لن تسعوا الناس با موالکم فالقو هم بطلاقة الوجه وحسن البشر

"اے اولادِ عبدالمطلب! تم میں یہ وسعت تو نہیں کہ تمام لوگوں کو مال و دولت دے کر (خوش کرو) لیکن ان سے خندہ پیشانی اور خوش روئی سے ملاقات کرو"۔ (جامع السعادات)

حسنِ خلق میں دنیا و آخرت کی تمام خیروخوبیاں موجود ہیں، اس کے برعکس...... بدخلقی، بدگوئی، بدکلامی اور عیب جوئی وغیرہ جس سے باہمی میل ملاپ کی بجائے باہمی عداوت، نفرت، حسد اور پھوٹ پیدا ہوتی ہے۔ یہ شیطان کا کام ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَ قُلْ لِعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ط اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾ (سورۃ الاسراء: ۵۳)

"اے رسول! میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہے۔ بے شک شیطان انسان کا کُھلّم کھلا دشمن ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ بدکلامی، گالی گلوچ، تنابز بالالقاب، یعنی ایک دوسرے کو برے اور تحقیر آمیز خطابوں سے پکارنا، بدزبانی اور فحاشی سب شیطانی انگیخت کا نتیجہ ہے۔

قرآن وحدیث میں جو جا بجا بدکلامی اور بدزبانی کی ممانعت کی گئی ہے اس

کے مصالح وحکم بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

① گالی گلوچ میں لوگ تعدی کرتے ہیں، اگر ایک شخص ایک گالی دے گا تو دوسرا دو دے گا۔
② بدزبان آدمی معاشرتی زندگی کے فوائد سے محروم ہو جاتا ہے۔ لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیتے ہیں۔
③ بدزبانی دَورِ جہالت کی یادگار اور تہذیب وشائستگی کے خلاف ہے۔
④ بدزبانی، اِسلامی اخلاق، رفق، تلطف، شرم وحیا وغیرہ کے خلاف ہے۔
⑤ گالی گلوچ سے لوگوں کے دلوں کو اذیت پہنچتی ہے، جس سے احتراز لازم ہے۔
⑥ بدزبانی سے بے شرمی کے الفاظ زبان سے نکلتے ہیں، جس سے ان افعال زشت کی جرأت ہوتی ہے۔ اور یہ شرافت کے بھی خلاف ہے۔
⑦ بدزبانی لڑائی کا پیش خیمہ ہے، حالانکہ مُسلمان کو برا بھلا کہنا فسق اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔

الغرض بدخلقی انسان کو خلق وخالق سے دور کر دیتی ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

سوء الخلق یفسد العمل کما یفسد الخل العسل

"بدخلقی عمل کو اس طرح خراب کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے"۔ (اصول کافی)

نیز فرمایا:

"بدخلق آدمی کی توبہ مقبول نہیں ہوتی"۔

عرض کیا گیا: کیوں؟ فرمایا:

"وہ ایک گناہ سے توبہ کرنہیں پاتا کہ بد خلقی کی وجہ سے اس سے
بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔ (انوار نعمانیہ)

یعنی وہ توبہ پر قائم نہیں رہ سکتا۔ بہرحال حسنِ خلق اور خوش کلامی انسانیت کی جان اور ایمان کی روح رواں ہے۔

خدا سب اہل ایمان کو یہ دولت عطا فرمائے
اور بد خلقی سوہان روح اور بلائے
بے درمان ہے۔ خدا سب
اہل ایمان کو اس
سے بچائے
آمین

☆

بجاہ النبیؐ و آلہ الطاہرینؑ
علیہم الصلوٰۃ و السلام

○

نواں باب

اسلامی حقوق وفرائض کا تذکرہ

سابقہ ابواب میں اسلامی اخلاقی فضائل اور اخلاقی رذائل کا مختصر مگر جامع تذکرہ ہو چکا، تو اب ہم چاہتے ہیں کہ یہاں اس باب میں کچھ اسلامی حقوق وفرائض کا تذکرہ بھی کر دیا جائے تاکہ یہ کتاب ہر لحاظ سے اپنے موضوع پر مکمل ہو جائے۔ چنانچہ اسلام میں اس قدر ان کی ادائیگی پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ اگر اسلام کو دین حقوق کہہ دیا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ آئیے ذیل میں ان کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں۔

حقوق اللہ و حقوق العباد

حقوق کی بڑی بڑی دو قسمیں ہیں۔ ① حقوق اللہ اور ② حقوق العباد۔ پہلی قسم کا تعلّق براہِ راست عبد و معبود کے ساتھ ہے، جیسے نماز وروزہ اور حج وغیرہ کہ اگر بندہ یہ حقوق ادا کرے تو اس میں اس کا ذاتی فائدہ ہے، کسی اور بندہ کا کوئی فائدہ نہیں، اور اگر ادا نہ کرے تو اس کا ذاتی نقصان ہے، کسی اور بندہ کا کوئی نقصان نہیں۔ اور دُوسری قسم یعنی حقوق العباد کا تعلّق براہِ راست مخلوقِ خدا سے ہے۔ جیسے حقوقِ والدین، حقوقِ زوجین اور حقوقِ برادرانِ ایمانی واسلامی وغیرہ۔ لہٰذا اگر یہ حقوق ادا کیے جائیں تو اس میں مخلوقِ خدا کا فائدہ ہوتا ہے۔ اور اگر ادا نہ کیے جائیں تو اس میں مخلوقِ خدا کا نقصان ہوتا ہے۔ بہر حال اسلام میں حقوق وفرائض کا ایک جال بچھا ہوا

ہے۔ اور بالعموم یہ حقوق دوطرفہ ہیں۔ جیسے اللہ کا حق بندوں پر، اور بندوں کا اللہ پر۔ نبی کا حق امت پر اور امت کا حق اپنے نبی پر۔ امام کا حق اپنے ماموین پر اور ماموم کا حق اپنے امام پر۔ والدین کا حق اولاد پر اور اولاد کا حق اپنے والدین پر، شوہر کا حق اپنی بیوی پر اور بیوی کا حق شوہر پر، اور ہمسایہ کا حق اپنے ہمسلیہ پر، اور برادری کا حق برادری پر، مُسلمان کا حق اپنے بھائی مُسلمان پر اور مومن کا مومن پر وغیرہ وغیرہ۔ اور جو حقوق یکطرفہ ہیں وہ یہ ہیں کہ حیوانات کا حق انسان پر، اور نباتات کا حق انسان پر اور جمادات کا حق انسان پر...... ذیل میں ان حقوق وفرائض کی بڑے اختصار کے ساتھ کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

① خداوند عالم کا حق اپنے بندہ پر

خدا کا حق اپنے بندہ پر یہ ہے کہ اسے اپنا خالق ومالک اور مُحسن ومنعم سمجھ کر اس طرح خلوصِ نیت کے ساتھ اس کی عبادت واطاعت کرے کہ اس میں ریا وسمعہ کی آمیزش نہ ہو۔ چنانچہ خود پروردگار فرماتا ہے:

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (سورة مومن: ۱۴)

اور اس کی نافرمانی اور حکم عدولی سے اپنے دامن کو بچائے۔

② بندہ کا حق اپنے خدا پر

بندہ کا حق اپنے خالق ومالک پر یہ ہے کہ وہ اس کی روزی اور اسبابِ زیست کا انتظام کرے، جیسا کہ اس کا اپنا ارشاد ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (سورة هود: ٦)

اور اگر بندہ حق پر ہے تو اس کی نصرت ومدد فرمائے اور اہل باطل کے

مقابلہ میں اس کا دفاع فرمائے، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورة الروم:۴۷)

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (سورة الحج:۳۸)

وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ (سورة يوسف:۵۲)

③ نبیؑ کا حق اپنی اُمّت پر

یہ ہے کہ امت پر اپنے نبی و رسول کی اطاعت مُطلقہ واجب ہے۔ ہر امر و نہی میں واجب، ہر زمان و مکان میں واجب ہے۔ ہر حال یعنی سفر و حضر اور ہر حالت میں ، امن ہو یا جنگ، واجب ہے۔ اور ہر کیفیت میں یعنی صحت و بیماری میں واجب ہے۔ اور اس کا احترام و اکرام واجب ہے اور اپنے مال و جائیداد و اولاد حتی کہ اپنی جان سے بڑھ کر اس کی محبّت و مؤدت واجب و لازم ہے۔

④ امت کا حق اپنے نبیؑ پر

امت کا حق اپنے نبی و رسول پر یہ ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں بارگاہ خداوندی میں ان کی شفاعت و سفارش کریں کہ وہ رحیم و کریم خدا امت کی تقصیروں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور ان کے گناہ معاف کر کے ان کو جنت الفردوس کی جاگیر عطا فرمائے۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ (سورة النساء:۶۴)

جب لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا (گناہ کیا تھا) اگر وہ آپؐ کے پاس (اے رسولؐ) آجاتے اور اللہ سے مغفرت طلب

کرتے اور آپؐ بھی (اے رسولؐ) ان کی سفارش کردیتے تو یقیناً
وہ اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا پاتے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم بندوں کی توبہ اس وقت قبول کرتا ہے اور گناہ اس وقت معاف کرتا ہے جب پیغمبر اسلام ﷺ کی سفارش ہوتی ہے۔ اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: اعدت شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔ "میری شفاعت وسفارش میری امت کے گناہانِ کبیرہ کرنے والوں کے لیے ہے"۔ (بحارالانوار)

⑤ امام کا حق اپنے غلاموں پر

امام برحق کا حق اپنے نام لیواؤں اور غلامی کے دعویداروں پر وہی ہے جو ایک نبی و رسول کا حق اپنی امت پر ہے۔ جس کی وضاحت سطور بالا میں کردی گئی ہے۔ یعنی اس کی اطاعت مُطلقہ بجالائیں اور مال وجائیداد اور آل واولاد، بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ اس سے محبّت کریں اور اس کا ادب واحترام کریں۔

⑥ ماموبین ومومنین کا حق اپنے امام پر

مومنین وماموبین کا حق اپنے امام زمانہ پر وہی ہے جو امت کا حق اپنے نبی و رسول پر ہے یعنی وہ دنیا وآخرت میں مستحقین کی سفارش وشفاعت فرمائیں اور اپنے ساتھ جنت الفردوس میں لے جائیں۔

⑦ والدین کا حق اولاد پر

اسی کتاب کے چوتھے باب کے چوتھے گناہِ کبیرہ کے بیان کے ذیل میں جہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ والدین کے حقوق ادا نہ کرنا، اور نافرمانی وبے ادبی کرنا گناہِ کبیرہ

ہے، اور ان کا ادب و احترام بہر حال واجب ہے اور جب تک کوئی خلاف شرع حکم نہ دیں تب تک ان کی اطاعت و فرمانبرداری بھی لازم ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا (سورۃ العنکبوت:۸)

"ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیّت و تاکید کی ہے"۔

⑧ اولاد کا حق والدین پر

اس موضوع کی ابتدا میں یہ حقیقت بیان کی جا چکی ہے کہ اسلام میں یہ حقوق دوطرفہ ہیں۔ بنا بریں جس طرح والدین کے حقوق اولاد پر واجب ہیں، اسی طرح اولاد کے بھی کچھ حقوق والدین پر واجب ہیں۔ جیسے یہ کہ خدا بیٹا دے یا بیٹی، دورِ جاہلیت کی طرح ان کو قتل نہ کریں، اور نہ حمل گرائیں اور نہ نس بندی کرائیں۔ نام اچھا رکھیں، تعلیم و تربیت کا انتظام اسلام کے مطابق کریں۔ چنانچہ......

خداوند عالم اہل ایمان کو حکم دیتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (سورۃ التحریم:٦)

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ"۔

واضح ہے کہ بزرگِ خاندان اپنے خانوادہ کو جہنم کی آگ سے اسی صورت میں بچا سکتا ہے کہ پہلے اپنے بیوی بچوں کو ترجمہ کے ساتھ قرآن مجید پڑھائے، پھر اصولِ اِسلام و ایمان سمجھائے اور پھر بلوغت سے پہلے ہی ان کو نماز و روزہ اور دوسرے احکام کی بجا آوری کا پابند بنائے۔ یعنی ان کو نظری و علمی تعلیم اسلام کے ساتھ ساتھ عملی تعلیم و تعمیل کا

بھی اہتمام فرمائے۔ تب وہ اپنی شرعی ذمہ داری سے فارغ الذمہ ہوگا۔

⑨ شوہر کا حق بیوی پر

اسلام سے پہلے تجرد (شادی نہ کرنا) کو روحانی کمال کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر اسلام نے اس نظریہ کو غلط ٹھہراتے ہوئے نکاح کرنے اور نسل بڑھانے کا حکم دیا ہے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ (سورۃ النور: ۳۲)

اور مرد کو عورت کا لباس اور عورت کو مرد کا لباس اور باعث تسکین قرار دیا۔

وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (سورۃ الاعراف: ۱۸۹)

اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ازدواج کو سنت قرار دیا اور اسلام نے زن و شوہر پر کچھ حقوق و فرائض لازم قرار دیے ہیں اور ان کی ادائیگی کو تکمیل روحانیت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ بہر حال عورت پر شوہر کا حق یہ ہے کہ:

① جب تک شوہر کوئی خلافِ شریعت حکم نہ دے تب تک اس کی فرمانبرداری کرے، اور اس کی نافرمانی و حکم عدولی سے اجتناب کرے۔

② ہر حال میں شوہر موجود ہو یا غائب، اس کے مال و اولاد کی اور اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرے۔

③ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر کی دہلیز سے باہر قدم نہ رکھے۔

④ ہر حالت میں شوہر کو خوش رکھنے کی کوشش کرے اور اس کو ناراض نہ کرے۔

⑤ سلیقہ مندی اور دانشمندی سے گھر کو جنت کا نمونہ بنائے اور اجڈپن سے اسے جہنم نہ بنائے۔

الغرض حدیث میں وارد ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"اگر غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں بیویوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں"۔

(حلیۃ المتقین)

⑩ بیوی کا حق شوہر پر

① شوہر پر لازم ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق جو خود کھانا کھائے وہی اپنی بیوی کو کھلائے۔ ② جو خود لباس پہنے وہی لباس اسے پہنائے۔ ③ اسے کنیز نہ سمجھے بلکہ بیوی سمجھے۔ ④ چھوٹی موٹی غلطی سے درگزر فرمائے۔ ⑤ اگر کسی وجہ سے ہلکی پھلکی مار مارنا چاہے تو مُنھ پر تھپڑ نہ مارے، اور اسے گالم گلوچ نہ دے۔

الغرض باہمی عزت واحترام کا سلسلہ قائم رکھنا چاہیے، تاکہ شوہر کو اور بیوی کو گھر میں سکون ملے۔ اور وہ سکون حاصل کرنے کے لیے باہر نہ جائیں، بلکہ دونوں اپنے گھر میں سکون محسوس کریں۔

⑪ برادری کے حقوق برادری پر

دور ونزدیک کے رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرنے پر جسے شرعی اِصطلاح میں صلہ رحمی کہا جاتا ہے، شریعت اسلامیہ میں بڑا زور دیا گیا ہے۔ جس پر چوتھے باب کے سترھویں گناہِ کبیرہ کے سلسلہ میں قطع رحمی کے گناہِ کبیرہ ہونے اور صلہ رحمی کے واجب ہونے پر بقدرِ ضرورت تبصرہ کیا جاچکا ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے۔ انشاء اللہ

ارشادِ قدرت ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى (سورۃ البقرۃ: ۸۳)

"والدین اور رشتہ داروں سے نیکی کرو"۔

⑫ ہمسایہ کے حقوق ہمسایہ پر

اسلامی حقوق وفرائض میں سے ایک حق کا نام حق الجوار بھی ہے۔ یعنی ہمسایہ کا حق۔ اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں بھی اس حق ہمسائیگی کا بڑا لحاظ کیا جاتا تھا۔ مگر اسلام نے اس حق کی ادائیگی پر اور بھی بڑا زور دیا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں:

ما امن بی من بات شبعانا و جارہ جائع

"وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو پیٹ بھر کر رات گزارے جبکہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو"۔ (جامع السعادات)

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

"وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمسایہ کے ساتھ نیکی نہ کرے"۔ (معراج السعادۃ)

حضرت پیغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں کہ:

"جبرئیل امین ؑ مجھے ہمیشہ ہمسایہ کا حق ادا کرنے کی تاکید مزید کرتے رہے حتی کہ مجھے خیال پیدا ہوا کہ وہ اسے میری وراثت میں بھی شریک قرار نہ دے دیں"۔ (جامع السعادات)

حدیث میں وارد ہے کہ ہمسائے تین قسم کے ہوتے ہیں:

① ایک کافر ہمسایہ ہے، اس کا ایک حق ہے۔
② دوسرا مسلمان ہمسایہ ہے، اس کے دو حق ہیں
③ اور تیسرا ہمسایہ وہ ہے جو مسلمان ہونے کے علاوہ آپ کا قرابتدار بھی ہے اس کے تین حق ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو آدمی آپ کے زیادہ قریب ہے اس سے دکھ وسکھ کا بھی زیادہ

امکان ہے۔ اس لیے بھی اسلام نے پڑوسیون سے اچھے تعلقات رکھنے کی تاکید کی ہے کہ ان سے فائدہ اٹھایا جائے اور انھیں فائدہ پہنچایا جائے اور ان کے ضرروزیاں سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔

⑬ مُسلمانوں اور مومنوں کے حقوق مُسلمانوں اور مومنوں پر

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ (متفق علیہ)

"مُسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دُوسرے مُسلمان محفوظ ہوں"۔

مطلب یہ ہوا کہ جس شخص کے ہاتھ اور زبان سے مُسلمان محفوظ نہیں، نہ ان کا مال وجان اور نہ ان کی عزت وناموس محفوظ ہے وہ مُسلمان کہلانے کا حقدار نہیں ہے، بلکہ وہ ایک درندہ ہے۔ مُسلمان تو بجائے خود وہ تو انسان کہلانے کا بھی روادار نہیں ہے۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"مومن وہ وہ ہے جس کو لوگ اپنے مال وجان اور عزت وناموس کا امین سمجھیں"۔ (انوار نعمانیہ، جزائری، بحار الانوار)

اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے یہ فرما کر بات ہی ختم کردی۔ فرماتے ہیں:

اجعل نفسك میزاناً بینك و بین الناس فاحب لاخیك ما تحب لنفسك واکرہ لاخیك ماتکرہ لنفسك

"اے انسان! اپنی ذات کو ترازو بنا۔ پس جو چیز تو اپنے لیے پسند کرتا ہے اپنے اسلامی وایمانی بھائی کے لیے بھی وہی پسند کر،

اور جو چیز تجھے اپنے لیے پسند نہیں ہے وہ اپنے دینی بھائی کے لیے بھی پسند نہ کر"۔ (نہج البلاغہ)

اس سے زیادہ جامع ومانع کلام حق ترجمان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

دُعا ہے کہ خداوند عالم مُسلمانوں کو ان زرین پند ونصائح پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

⑭ یتیموں اور بیوگان کے حقوق عام لوگوں پر

وہ بچے جو صغر سنی میں شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے اور اب وہ بے یار و مددگار ہیں، یا وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کے سایۂ سرپرستی سے محروم ہو گئیں اور اب وہ اپنے مونس وغم گسار سے محروم ہیں، وہ بچے اور یہ عورتیں جن کے پاس نہ کھانے کے لیے طعام ہے نہ پہننے کے لیے لباس ہے، نہ ان کا کوئی ظاہری سہارا ہے، وہ ہماری اور پورے اسلامی معاشرہ کی خاص توجہ کی محتاج ہیں۔ زکوات اور اخماس اور صدقات و خیرات اور عطیات سے ان کی ضروریات کا احساس رکھنا اور پھر پورا کرنا ہر اہل استطاعت اہل اسلام وایمان کا اخلاقی وشرعی فریضہ ہے۔ تاکہ وہ بھی عزت وآبرو کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

⑮ بیمار کے حقوق تندرست پر

اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اگر وہ مالدار ہے تو وہ صرف ہماری بیمار پرسی و ہمدردی کا حقدار ہے، اور اگر غریب ونادار ہے تو وہ ہماری تیمارداری کے ساتھ ساتھ ہماری ہمدردی وغمخواری کا بھی حقدار ہے کہ اس کا علاج ومعالجہ کرا کے اس کو نئی زندگی کا پیغام دیا جائے۔

قرآن کا فرمان ہے:

وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا (سورۃ المائدۃ:۳۲)

"جو کوئی ایک انسان کی جان بچائے اس نے گویا پوری انسانیت کی جان بچائی ہے"۔

حدیث میں وارد ہے کہ:

"غریب لوگوں کا حج و عمرہ بیمار مومن کی عیادت و بیمار پرسی کرنا ہے"۔(بحارالانوار)

⑯ غرباء اور حاجتمندوں کے حقوق مالداروں پر

خالق حکیم نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے۔ ہر انسان کسی نہ کسی معاملہ میں دوسرے انسان کے تعاون کا محتاج ہے تو محتاج کے ساتھ دست تعاون بڑھانا ہر شریف مُسلمان کا اخلاقی فریضہ ہے اور اس کی حاجت برآری میں کد وکوشش کرنا بہترین عبادت ہے۔ ع

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

اور غریب ونادار کی واجبی مال سے یا صدقہ سے اعانت کرنا ہر مالدار مُسلمان کا فرض منصبی ہے۔ارشادِ قدرت ہے:

وَ فِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ (سورۃ الذاریات:۱۹)

مالداروں کے مال میں دو قسم کے لوگوں کا حق ہے۔ایک سوال کرنے والوں کا، اور دوسرے ان شریف غریبوں کا جو شرافت کی وجہ سے دست سوال دراز نہیں کرتے...... حدیث قدسی میں وارد ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

المال مالی و الفقراء عیالی و الاغنیاء امنائی فمن بخل بمالی

علیٰ عیالی ادخلہ ناری ولا ابالی

"مال میرا مال ہے، اور فقراء و مساکین میرے اہل و عیال ہیں اور مالدار لوگ میرے مال کے امین ہیں۔ پس جو میرا امین میری امانت میرے اہل و عیال تک نہیں پہنچائے گا اسے جہنم میں داخل کردوں گا اور کوئی پرواہ نہیں کروں گا کہ کون ہے اور کس خاندان کا چشم و چراغ ہے"۔

(کواکب مضیہ ترجمہ جواہر سنیہ دراحادیث قدسیہ)

⑰ غلاموں کے حقوق اپنے آقاؤں پر

عالم انسانیت کے کمزور طبقوں میں غلام بھی شامل ہیں اور اسلام کمزوروں کی ہمدردی اور حمایت کا علمبردار ہے۔ اس لیے اس نے غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور مملوکوں کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے اور بات بات پر غلاموں کو آزادی کا پروانہ دینے کا امر کرتا ہے۔ بہرکیف غلاموں کا اپنے آقاؤں پر یہ حق ہے کہ ان کے ساتھ مُشفقانہ برتاؤ برتیں اور انسانی برادری کا فرد ہونے کے ناطے سے ان کے ساتھ مروّت و شرافت کا سلوک روا رکھیں اور ان کو احساسِ کمتری کا شکار نہ ہونے دیں۔

⑱ دوستوں کے حقوق دوستوں پر

اس سلسلہ میں پہلی ضروری بات تو یہ ہے کہ یہ دوستی کا رشتہ دنیاوی مفادات و احتیاجات کے تحت نہیں ہونا چاہیے کہ یہ رشتہ پائیدار نہیں ہوتا، بلکہ دوستی اور دشمنی کی بنیاد "الحب للہ و البغض فی اللہ" پر استوار کرنی چاہیے۔ یعنی اگر کسی سے محبّت اور دوستی کی جائے تو اللہ کی خاطر اور کسی سے نفرت کی جائے تو بھی اللہ کے لیے۔ بقولِ شاعر: ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

اور مشرقی روایت بھی یہی ہے اور اسلامی کلچر بھی یہی ہے کہ ع
وفا داری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے

ہوا کا رُخ دیکھ کر دوستی نہیں بدلنی چاہیے۔ جس سے ایک بار صاحب سلامت ہو جائے اسے آخر تک نبھانا چاہیے۔ اور نہیں تو کم از کم اتنا تو ضرور ہونا چاہیے کہ اگر دادا سے دوستی ہو تو اس کے پوتوں پڑپوتوں تک نبھانی چاہیے۔ الغرض جب تک دوسرا فریق نہ چھوڑے اسے ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے...... اور اگر وہ بلا وجہ چھوڑ جائے اور رشتہ محبّت توڑ جائے تو پھر اس سے یہ نہیں پوچھنا چاہیے کہ: ع
ہم سے سرگراں کیوں ہو؟

⑲ مُردوں کے حقوق زندوں پر

اسلام نے اوروں کا کیا ذکر مُردوں کا حق بھی زندوں کے ذمہ قرار دیا ہے کہ جب کوئی مُسلمان دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف انتقال کر جائے تو زندوں پر واجب ہے کہ اس کے غسل و کفن اور نمازِ جنازہ پڑھنے پڑھانے اور دفن کرنے کا اہتمام کریں اور اگر وہ یہ حق ادا نہیں کریں گے تو واجب کفائی کے ترک کے مُرتکب ہو کر مجرم اور گنہگار قرار پائیں گے۔

⑳ حیوانات کے حقوق انسانوں پر

جاہلیت کے دور میں کئی قسم کے جانوروں پر ظلم ڈھائے جاتے تھے۔ اسلام نے سب مظالم کو ناجائز قرار دیا اور حکم دیا ہے کہ:

① جو جانور جس کام کا ہے اس سے وہی کام لیا جائے۔
② اسے وقت پر چارا کھلایا جائے۔
③ وقت پر پانی پلایا جائے۔
④ ان کے مُنھ پر نہ مارا جائے۔
⑤ ان کو آپس میں نہ لڑایا جائے۔
⑥ ان کے آرام وسکون کا خیال رکھا جائے۔
⑦ ان کی طاقت برداشت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔

㉑ نباتات اور جمادات کے حقوق انسانوں پر

جب یہ حقیقت ہے کہ: "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" (بقرۃ:۲۹) خداوند علیم وحکیم نے زمین کی تمام چیزیں حضرتِ انسان کے لیے پیدا کی ہیں تو اس کا حق ہے کہ وہ ان تمام چیزوں سے خواہ نباتات ہوں یا جمادات ان سے فائدہ حاصل کرے، اور ہر اس کام واقدام سے اجتناب کرے جس سے اس چیز کو نقصان پہنچے اور اس کی نفع رسانی متاثر ہو۔ یہ نباتات اور جمادات کا حق ہے انسان پر، جس کی ادائیگی اس پر لازم ہے، اور ان سے وہ فائدہ اٹھائے جس کے لیے یہ پیدا کی گئی ہیں۔

دسواں باب

بعض اسلامی سنن و آداب کا تذکرہ

چونکہ دین اسلام دین فطرت ہے (فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا) اس لیے اس نے ایک مُسلمان کی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے اس کے مختلف انفرادی و اجتماعی شُعبہ ہائے حیات کے لیے کچھ فطری آداب مقرر فرمائے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے آدمی مہذب اور مُتمدّن کہلاتا ہے اور ان آداب کو ملحوظ نہ رکھنے سے آدمی وحشی اور جانور کہلاتا ہے۔

آئیے ذیل میں ہم ان مختلف آداب کا مُختصر مختصر طریقہ پر تذکرہ کرتے ہیں۔

① کھانے پینے کے آداب

اس سلسلہ میں جامع ترین وہ حدیث ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کے سلسلہ سند سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر علیہ السلام کے نام وصیّت نامہ میں فرمایا: یا علیؑ! دستر خوان کے متعلّق ایک مُسلمان کو بارہ خصلتیں معلوم ہونی چاہیئں، جن میں سے چار فرض، چار سنت اور چار ادب ہیں۔ چنانچہ......

① پہلی چار چیزیں جو واجب ہیں وہ یہ ہیں:
① جو کھانا کھا رہا ہے اس کی معرفت حاصل کرے کہ حلال ہے یا حرام؟
② کھانے سے پہلے اللہ کا نام لینا (بسم اللہ پڑھنا)
③ کھانے کے بعد خدا کی حمد اور اس کا شکر بجالانا۔
④ اور راضی برضائے خدا رہنا۔
② دوسری چار چیزیں جو سنت ہیں، وہ یہ ہیں:
⑤ بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھنا۔ (بطور تشہد بیٹھنا بہتر ہے)
⑥ تین انگلیوں سے کھانا۔
⑦ اگر کھانے والے زیادہ ہوں تو اپنے سامنے سے کھانا۔
⑧ دائیں ہاتھ سے کھانا۔
③ تیسری چار چیزیں جو ادب ہیں، وہ یہ ہیں:
⑨ لقمہ چھوٹا توڑنا۔
⑩ لقمہ کو خوب چبانا۔ (کیونکہ معدے کے دانت نہیں ہیں)
⑪ لوگوں کے چہرہ پر کم نظر ڈالنا۔
⑫ کھانے سے پہلے اور بعد ازاں دونوں ہاتھ دھونا۔
(خصال شیخ صدوق)

⑬ کھانے کی ابتداء اور انتہا نمک سے کرنا۔
⑭ صرف صبح و شام کھانا کھانا، اور درمیان میں کچھ نہ کھانا، تاکہ معدہ پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔
حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: چار چیزوں پر

عمل کرو، تاکہ کبھی طبیب کے محتاج نہ ہو:

⑮ اس وقت دستر خوان پر بیٹھو جب بھوک لگی ہو۔

⑯ اس وقت اٹھ جاؤ جب ابھی کچھ بھوک باقی ہو۔

⑰ لقمہ کو خوب چباؤ۔

⑱ سونے سے پہلے بیت الخلا جاؤ۔ (سراج الشیعہ)

اسی طرح پانی بھی ٹھہر ٹھہر کر تین سانس میں پینا چاہیے اور دن کو کھڑے ہو کر اور رات کو بیٹھ کر پینا چاہیے۔ (حلیۃ المتقین)

⑲ پانی پینے کے بعد قاتلانِ سید الشہداءؑ پر لعنت کرنی چاہیے۔

⑳ اور جناب سید الشہداءؑ اور دوسرے شہدائے کربلا پر درود و سلام بھیجا جائے۔

② آدابِ ملاقات

اسلام میں مسلمانوں کے درمیان باہمی میل و ملاقات اور مریض کی عیادت کرنے کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے اور بڑا ثواب بیان کیا گیا ہے اور اس میل و ملاقات کے کچھ آداب ہیں۔ جیسے:

① جب بھی ملاقات ہو تو سب سے اہم اور پہلا ادب یہ ہے کہ اسلامی طریقہ پر سلام کیا جائے اور اس کے دو صیغے ہیں:

① اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، اور ② سَلَامٌ عَلَیْکُمْ۔

اور دوسرا آدمی جواب میں کچھ اضافہ کرے، جیسے:

وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ...... کیونکہ ارشادِ قدرت ہے:

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا (سورۃ النساء:۸۶)

یعنی جب تم پر سلام کیا جائے تو اس سے بہتر طریقہ پر تم سلام کرو (جواب دو) یا (کم از کم) ایسا ہی جواب دو۔

(۲) اور یہ ملاقات خندہ پیشانی اور مسکراتے ہوئے چہرے سے کرنی چاہیے تاکہ محبت و اخوت میں اضافہ ہو۔

(۳) اس کے بعد دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہیے کہ یہ اتحاد و یگانگت کا ذریعہ ہے اور اس وقت تک ہاتھ نہیں کھینچنا چاہیے جب تک دوسرا شخص پہلے ہاتھ نہ کھینچے۔ حدیث میں وارد ہے کہ مصافحہ کرنے سے اہل ایمان کے گناہ یوں جھڑتے ہیں جس طرح پتے تیز و تند ہوا کے چلنے سے جھڑتے ہیں۔

(۴) محبت و مسرت بڑھانے کا ایک اور طریقہ بھی ہے جس کا نام معانقہ ہے۔ یعنی بغل گیر ہونا۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی مفاسدہ نہیں تب یہ طریقہ مسنون ہے اور اس سے محبت و خلوص میں اضافہ و ازدیاد ہوتا ہے۔

(۵) اور اگر کسی کے گھر میں داخل ہونا ہو تو پہلے سلام کرنا چاہیے۔ اگر جواب مل جائے تو پھر تین بار داخل ہونے کی اجازت طلب کرنی چاہیے۔ پس اگر اجازت مل جائے تو فبہا ورنہ واپس چلا جانا چاہیے۔

(۶) خود اپنے گھر میں داخل ہونا ہو تو اہل خانہ پر سلام کرنا مستحب ہے اور آدابِ شرعیہ میں داخل ہے۔

مخفی نہ رہے کہ سلام کرنا مستحب ہے۔ مگر جواب دینا واجب ہے۔ لیکن ثواب سلام کرنے کا زیادہ ہے اور یہ ان مقامات میں سے ایک

ہے جہاں مُستحب کا ثواب واجب سے زیادہ ہے۔ اور دوسرا قرضہ دینا ہے، جو مُستحب ہے اور قرضہ ادا کرنا واجب ہے۔ مگر قرضہ دینے کا ثواب زیادہ ہے۔ واللہ الموفق

③ آدابِ مجلس

اسلام چونکہ دینِ معاشرت ہے، اس لیے جہاں اس نے کھانے پینے، سونے جاگنے اور اٹھنے بیٹھنے کے آداب سکھائے ہیں وہاں اس نے معاشرہ کو تشکیل دینے اور اس میں سکینہ و وقار بڑھانے کے بھی کچھ آداب مقرر فرمائے ہیں۔

① مجلس میں جہاں پہلے چند آدمی بیٹھے ہوں، جب کوئی آدمی اس میں جائے تو جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جائے۔ مجمع کو پھلانگ کر کسی اچھی جگہ پر بیٹھنے کی کوشش نہ کرے۔ اور کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کی بھی کوشش نہ کی جائے۔

② صُحبت کا اثر ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ؎

صُحبت صالح ترا صالح کند
صُحبت طالح ترا طالح کند

اس لیے محفل و مجلس کے شرکاء کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ لوگ کیسے ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کی صُحبت اختیار کی جائے جن سے انسان کو کوئی دینی یا جائز دنیوی فائدہ حاصل ہو۔

③ جہاں مجلس و محفل میں کوئی آدمی بول رہا ہو تو توجہ سے اس کی بات سننی چاہیے اس کی گفتگو کے دوران آپس میں کانا پھوسی نہیں

کرنی چاہیے کہ اس سے بد گمانی کی فضا پیدا ہوتی ہے اور یہ آدابِ محفل کے بھی خلاف ہے۔

۴ اگر اس محفل میں کوئی راز و نیاز کی بات کی جائے تو اس راز کو فاش نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ "المجالس بالامانات"۔

۴ آدابِ گفتگو

مؤثر انداز میں گفتگو کرنا بھی ایک ہنر ہے۔ اور اس کے کچھ آداب و مستحبات ہیں:

۱ سب سے پہلا ادب یہ ہے کہ جو بات کی جائے وہ سوچ سمجھ کر کی جائے۔ یعنی پہلے بات کو میزانِ عقل پر تولا جائے پھر بولا جائے۔

۲ دوسرا ادب یہ ہے کہ موقع و محل کے مطابق گفتگو کی جائے، بے محل اور بے جا کلام سے اجتناب کیا جائے۔

۳ جہاں بات کرنی ضروری ہو وہاں خاموش نہیں رہنا چاہیے اور جہاں خاموشی بہتر ہو وہاں بولنا نہیں چاہیے۔ بقول شاعر ؎

دو چیز تیرۂ عقل است دم فرو بستن
بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

یعنی دو چیزیں عقل کی کمزوری کی دلیل ہیں۔ جب بولنا ہو تو وہاں خاموش رہا جائے، اور جہاں خاموش رہنا ہو وہاں بولا جائے۔

۴ نرمی سے گفتگو کی جائے نہ کہ گرمی سے۔

۵ میانہ آواز میں گفتگو کی جائے نہ اتنی بلند آواز سے کی جائے کہ سامعین کے کانوں کے پردے پھٹ جائیں اور نہ اتنی دھیمے لہجے میں کی جائے

کہ کسی کے پلے کچھ نہ پڑے، بس میانہ روی سے کام لینا چاہیے۔

⑥ بزم میں کسی اہل ایمان کی غیبت و گلہ گوئی سے اجتناب کیا جائے اور غیر موجود لوگوں کا برائی سے ذکر نہ کیا جائے اور حاضرین میں سے کسی کی دل آزاری نہ کی جائے۔

⑦ فضول گفتگو سے اجتناب کیا جائے کہ یہ وقار کی علامت ہے۔

⑧ اگر کوئی شخص کلام کرنے میں تلخی کا مظاہرہ کرے تو اس کے جواب میں تلخی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

⑨ اگر کبھی عورت کو نامحرم مرد سے یا کسی مرد کو نامحرم عورت سے گفتگو کرنی پڑے تو گفتگو اور اس کے لہجہ میں سختی و تیزی اور نزاکت نہیں ہونی چاہیے جس سے دل میں برائی کا خیال پیدا ہو۔

⑩ ہر بات کی جائے دلیل و برہان سے کی جائے تاکہ سامعین پر اثر انداز ہو۔

⑤ بیت الخلاء جانے کے آداب

اس سلسلہ میں کچھ امور واجب ہیں اور کچھ حرام اور کچھ مستحب۔

① واجبات یہ ہیں:

① ناظر محترم سے آگا پیچھا ڈھانپا جائے اگرچہ ناظر طفل ممیز ہی ہو۔

② استنجا کیا جائے، اگرچہ مقام مخصوص کا ایک بار دھونا کافی ہے مگر احوط یہ ہے کہ دوبار بلکہ تین بار دھویا جائے۔

③ اس سلسلہ میں قبلہ کی طرف منہ کرنا یا اس کی طرف پشت کرنا حرام ہے۔

④ کسی قابل احترام چیز سے پاخانہ صاف کرنا حرام ہے۔
⑤ پیشاب و پاخانہ کرنے کے لیے کوئی ایسی جگہ تلاش کی جائے جہاں اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔
⑥ بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں داخل کیا جائے اور نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں نکالا جائے۔
⑦ بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھا جائے تا کہ فراغت میں آسانی ہو۔
⑧ مرد کو پیشاب کے بعد استبراء بھی کرنا چاہیے۔
⑨ گھاٹ کے کنارے اور شارع عام اور پھل دار درختوں کے نیچے پیشاب کرنا خلافِ ادب ہے۔
⑩ دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کیا جائے بلکہ بائیں ہاتھ سے کیا جائے۔

⑨ چلنے پھرنے کے آداب

اسلام نے چلنے پھرنے اور گھر سے باہر نکلنے کے بھی کچھ آداب مقرر فرمائے ہیں۔ مثلاً:
① انکساری اور خاکساری سے چلنا چاہیے کیونکہ اللہ کے مخلص بندے متانت اور عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔
② تکبر کے انداز میں یعنی اکڑ کر نہیں چلنا چاہیے۔
③ اگر عورت ہو تو اس کے لیے گھر سے باہر نکلنے کے لیے پردہ کی پابندی ضروری ہے۔
④ اگر مرد ہے تو جب کوئی نامحرم عورت نظر آئے تو نگاہیں نیچی رکھے اور اگر عورت ہے تو جب کوئی نامحرم مرد نظر آئے تو نگاہیں

نیچی رکھے۔

⑤ اگر عورت کے پاؤں میں کوئی بجنے والا زیور ہے، جیسے پازیب یا جھانجر تو چلتے وقت زور سے پاؤں زمین پر نہ مارے۔

⑥ عورت کو چاہیے کہ تیز خوشبو لگا کر باہر نہ نکلے۔ کیونکہ اس سے مردوں میں انتشارِ خیال پیدا ہوتا ہے۔

⑦ سونے جاگنے کے آداب

ارشادِ قدرت ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ (سورۃ الروم: ۲۳)

خداوندعالم کی نشانیوں میں سے تمہارا رات کو سونا بھی ہے۔

الغرض خدائے علیم و حکیم نے دن کو کام کے لیے بنایا ہے اور رات کو آرام کے لیے بنایا ہے...... ہاں البتہ اگر دن کو دوپہر کے وقت کچھ دیر آرام کر لیا جائے جسے قیلولہ کہا جاتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ بہتر ہے۔ ہاں البتہ اس سونے اور جاگنے کے کچھ آداب ہیں، جن کو مدنظر رکھنا چاہیے:

① رات کو نمازِ عشاء کی ادائیگی سے پہلے نہیں سونا چاہیے، بلکہ اس کے بعد سونا چاہیے، اور فضول باتوں اور بے مقصد کاموں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے، بلکہ جلدی سونا چاہیے اور پھر صبح عبادت کے لیے جلدی اٹھنا چاہیے۔ ہاں البتہ اگر کسی ضروری کام کی انجام دہی کے لیے عشاء کے بعد جاگنا پڑے تو اور بات ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۲) جو عیش و آرام کے دلدادہ لوگ دن کو رات اور رات کو دن بناتے ہیں وہ اسلامی احکام کی خلاف ورزی کے مُرتکب ہوتے ہیں۔ حتی کہ ساری رات جاگ کر عبادت خدامیں گزارنا بھی خدا کو پسند نہیں ہے۔ ہر چیز میں یہاں تک کہ عبادت پروردگار میں بھی اعتدال اور میانہ روی خدا کو پسند ہے۔

۳) وضو کر کے سونا اور وہ بھی روبقبلہ ہو کر سونا مُستحب ہے۔

۴) داہنی کروٹ سونا چاہیے اور پیٹ کے بل سونا شیطانی طریقہ ہے۔

۵) سوتے وقت گھر کا دروازہ بند کرنا چاہیے۔

۶) آگ اور چراغ بجھا کر سونا چاہیے۔

۷) سونے سے پہلے سارے دن کے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ نیکیوں پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے اور برائیوں پر توبہ و استغفار کرنی چاہیے۔ حدیث میں وارد ہے: لیس منا من لم یحاسب نفسه کل لیلة ......جو شخص ہر رات اپنا محاسبہ نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (رسالہ محاسبۃ النفس وغیرہ)

۸) سونے سے پہلے آیت الکرسی ایک بار، سورۃ "قل یا ایها الکافرون" چار بار اور سورۃ انفطار بھی کم از کم تین بار تلاوت کی جائے۔

۹) تسبیح جناب سیدہ سلام اللہ علیہا پڑھی جائے۔

۱۰) سو کر اُٹھتے وقت مسنون دعائیں پڑھنی چاہیئیں۔ مثلاً یہ دعاء:

① "الحمد لله رب العالمین" تین بار۔

② اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ وَاِلَیْهِ النُّشُوْر۔

③ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ مِنْ سَائِرِ الْاُمَمِ۔

④ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ رِزْقِیْ فِیْ یَدِہٖ وَلَمْ یَجْعَلْهُ فِیْ اَیْدِی النَّاسِ ۔

⑤ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَتَرَ عُیُوْبِیْ وَلَمْ یَفْضَحْنِیْ بَیْنَ النَّاسِ ۔ (حلیۃ المتقین)

⑧ لباس پہننے کے آداب

لباس پہننے کی غرض وغایت دو چیزیں ہیں۔ ایک بدنی و جسمانی اور دوسری اخلاقی وروحانی۔ پہلی غرض جسم کو سردی وگرمی کی تکلیف سے بچانا ہے اور دوسری غرض یہ ہے کہ بدن کے قابل ستر حصوں کو چھپایا جائے۔ بے شک، اسلام اچھا لباس پہننے اور اچھی غذا کھانے سے منع نہیں کرتا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (سورۃ الاعراف: ۳۲)

"کہیے! کس نے حرام قرار دیا ہے ان سامانِ آرائش کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور اچھی غذاؤں کو؟"۔

لیکن پھر بھی....

① ایسا لباس شہرت نہیں پہننا چاہیے جس کی طرف لوگوں کی انگلیاں اٹھیں۔

② نیز مرد کے لیے خالص ریشم کا لباس پہننا جائز نہیں ہے۔

③ ایسا باریک لباس پہننے سے اجتناب کرنا چاہیے جس سے لباس پہننے کا مقصد ہی فوت ہو جائے۔ یعنی قابل ستر مقامات نظر آئیں۔

④ مرد کے لیے عورتوں والا مخصوص لباس پہننا اور عورت کے لیے مردوں والا مخصوص لباس زیب بدن کرنا جائز نہیں ہے۔

⑤ مرد کے لیے شوخ رنگ، جیسے سرخ رنگ کے کپڑے پہننا مناسب نہیں بلکہ سفید رنگ کو ترجیح حاصل ہے۔
دراصل وہ لباس جو مرد و عورت کے لیے باعث عزت و عظمت ہے وہ لباس تقویٰ ہے۔ (وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ...... سورۃ الاعراف:۲۶)۔

مردے خدا شناس که تقویٰ طلب بود
خواهی سفید جامه و خواهی سیاه باش

⑨ شادی وغم منانے کے آداب

خوشی وغم، مسرت و مساءت دنیوی زندگی کا لازمہ ہے۔ ع
کبھی دکھ ہے کبھی سکھ ہے اسی کا نام دُنیا ہے
لہٰذا خوشی کے مقام پر مسرت وشادمانی کا اظہار کرنا اور غم واندوہ کے وقتِ حزن و ملال کا اظہار کرنا ایک فطری امر ہے، جس پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔
① مگر مسرت کا اظہار ہو یا غم کا اظہار...... ان کو حدودِ شریعت اور حداعتدال کے اندر رہونا چاہیے۔
② حدود شریعت کو پھلانگ کر خوشی و غم کا مظاہرہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، جیسا کہ عموماً اس قسم کے مواقع پر لوگ راگ ورنگ و رقص وسرود کی محفلیں سجاتے ہیں۔یہ فعل حرام ہے اور ناشکری ہے۔
③ خوشی کے موقع پر مُحسنِ حقیقی کا شکر بجالانا چاہیے اور سجدۂ شکر ادا کرنا چاہیے تاکہ خدا اس نعمت و مسرت میں اور اضافہ فرمائے......
جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ (سورۃ ابراھیم:۷)

"اگر تم شکر ادا کروگے تو میں نعمتوں میں اور اضافہ کروں گا"۔

یعنی لباسِ فاخرہ زیب بدن کرنا چاہیے، بیوی بچوں کو اچھا کھانا کھلائے۔

④ اہلِ ایمان کو دعوتِ طعام دینی چاہیے اور غرباء و مساکین کی اعانت کرنی چاہیے۔ وغیرہ وغیرہ۔

⑤ اور اگر مصیبت کا وقت ہو تو راضی برضاء خدا رہنا چاہیے اور صبر و ضبط سے کام لینا چاہیے اور خدا کی قضا و قدر پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی کوئی غیر شائستہ حرکت کرنی چاہیے۔ اسی کا نام صبر ہے۔ (اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ......سورۃ البقرۃ:۱۵۳) مگر یاد رہے کہ کسی کے غم میں رونا بے صبری نہیں ہے۔

⑥ جو شخص اللہ تعالیٰ کو قادر بھی جانتا ہے اور عادل بھی مانتا ہے اس پر واجب ہے کہ بہر حال راضی برضاء پروردگار نظر آئے، تاکہ شوگر و بلڈ پریشر اور ہارٹ پرابلم سے محفوظ ہو جائے۔ ؎

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خونی منظر سے
اس حال میں جینا لازم ہے جس حال میں جینا مشکل ہو

⑩ سفر کرنے کے آداب

عام حالات میں سفر کرنا شرعاً ایک پسندیدہ امر ہے، چہ جائے کہ کسی واجب یا مستحب امر کی ادائیگی کے لیے کیا جائے، جیسے حج و زیارات وغیرہ کا سفر۔ بہر حال سفر کے کچھ آداب ہیں، جن کو مد نظر رکھنا بہتر ہے۔

① کسی نحس دن میں سفر نہ کیا جائے، خصوصاً جب قمر در عقرب ہو۔
② اگر ان حالات میں سفر کرنا پڑ جائے تو نحوست کا توڑ صدقہ ہے، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ: "تصدق واخرج ای یوم شئت" "صدقہ دو اور جس دن چاہو سفر کرو"۔ (کامل الزیارۃ)
③ بہتر ہے کہ ہفتہ کے دن سفر کیا جائے، کیونکہ روایت میں وارد ہے کہ اگر کوئی پتھر بھی ہفتہ کے دن پہاڑ سے جدا ہو تو خدا اسے بھی اپنی جگہ لوٹا دیتا ہے۔
④ سفر پر جاتے ہوئے وصیت کرنی چاہیے۔ کیا معلوم کہ یہ اس کی زندگی کا آخری سفر ہو۔
⑤ تنہا سفر کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنہا سفر کرنے، تنہا کھانا کھانے، تنہا مکان میں سونے کی ممانعت فرمائی ہے۔ (کتاب الخصال) بلکہ اچھے ساتھیوں کے ساتھ سفر کرنا چاہیے۔
⑥ مسافر کو چاہیے کہ ضرورت کی ہر چیز سفر میں ہمراہ لے جائے۔
⑦ تحت الحنک کے ساتھ پگڑی باندھ کر سفر کیا جائے تاکہ مسافر سفر میں چوری، ڈاکا، اور غرق و حرق سے محفوظ رہے۔ (زاد العباد)
⑧ سفر پر روانہ ہوتے وقت دعائے خیر کرنی چاہیے۔
⑨ راستہ میں لڑائی جھگڑے سے اجتناب کیا جائے۔
⑩ راستہ میں نمازہائے فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی جائے۔ (ایضاً)

نوٹ: واضح رہے کہ حج اور زیارات مشاہد مقدسہ کے سفر کے خصوصی آداب کے سلسلہ میں ہماری کتاب "زاد العباد لیوم المعاد" کی طرف رجوع کیا جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

خاتمہ

خدائے تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم اور سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے طفیل یہ کتاب مستطاب اپنے اختتام کو پہنچی۔ والحمد للہ۔ بارگاہِ رب العزت میں دعا ہے کہ وہ خالق کائنات اور مالک موجودات اسے جس طرح میری مغفرت کا ذریعہ بنائے، وہاں اسے عام اہل ایمان کے طلبہ کرام اور علماء و واعظین عظام کے لیے بھی موردِ استفادہ قرار دے اور رہتی دنیا تک اسے صدقہ جاریہ و کلمۂ باقیہ بنائے۔

آمِین بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَآلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ
صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ مِنْ
یَّوْمِنَا ھٰذَا اِلٰی قِیَامِ یَوْمِ الدِّیْنِ
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ
الْعٰلَمِیْنَ
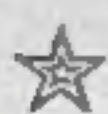
الاحقر محمد حسین النجفی عفی عنہ

بتاریخ ۶ شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

بمطابق ۱۴ اگست ۲۰۱۳ء بروز چہار شنبہ